

شاره ا

جلد ۲۹

جنوری \_ مارچ ۱۰۱۰ء

محرم الحرام \_ ربيج الاول ١٣٣١ ه

بيادگار: ۋاكىرمحدرفىغ الدىن مردوم

ادا فه تحسیر: حافظ محمد زمیر-قاری یخی اشرف عبدالففار حافظ نذریا حمهاشی به فیسرمحد نیس جنوعه مدراعزازی: واکسرابصاراحمه مزنتظم: حافظعاطف وحید

مريع م: حا فظعاطف وحثيد نائب مدير: حافظ خالدمجود خضر

يدرطور مركزى أجمن خدام القرآن لا مور كي درطور 35869501-3

ويبراث : www.tanzeem.org بىكى: publications@tanzeem.org بىكى: 200 دىپ ئى شارە: 50 دوپ

#### اس شمارے میں

حرف اول دین اورسیاست مضامین قرآن قرآن کیم کی سورتوں کے مضامین کا جمالی تجزیہ ڈاکٹر اسراراحم	
مضامین قرآن	-
	_3
قى تان چكىمىكى سەرتۇن كەمڧامىن كاچالى تىخنىيە ۋاكىزاسراراجىر	
<u> </u>	_7
هٰهُمُ القرآن	
ترجمهٔ قرآن مجید'مع صرفی ونحوی تشریح لطف الرحمٰن خان	_18
حکمتِ نبوی	
رسول الله مُلَاثِينِ مُرَا عَلَيما نه صِبحتين يرو فيسرمحمه يونس جنجوع	25
دعوت و تحریک	
شاه ولى اللَّهُ كَيْحُرِيكِ رجوع الى القرآن والشُّنَّهِ ظَفْر الاسلام اصلاحي	29
بحث و نظر	
الل السنّت والجماعة كون؟ (٣)	43
نقد و نظر	
''ایجادوابداعِ عالم'' پر ہونے والی ایک گفتگو جناب احمد جاوید	54
كتابنما	
تعارف وتبمره پروفیسرمجمریونس جنجوء	64
حقیقت دین	
Absar Ahmad ETHICAL VIRTUE	84
بيان القرآن	
. Israr Ahmad MESSAGE OF THE QURAN	96
المنادية الم	<b>₹</b>



# دين اور سياست

علامہ اقبال کے بعض اشعار کی حیثیت قاعدہ کلیہ یا نظری مسلمات کی سی معلوم ہوتی ہے جس سے اختلاف کی محلوم ہوتی ہے جس سے اختلاف کی مخبائش نہیں ہوسکتی ۔ مشہور مصرع سے ''جدا ہودیں سیاست سے تورہ جاتی ہے چنگیزی'' بھی اس ورجہ کا حامل ہے۔ اس مصرع کے مطابق کو یا تہمت چنگیزیت سے بیخنے کی واحد صورت یہ ہے کہ سیاست کو دین سے جدا نہ کیا جائے 'جو اس طور ممکن ہے کہ مسلمانوں کے معاشرہ میں لازم ہو کہ امور سیاست و حکومت پر دینی تعلیمات کا بلا واسطہ اور بلا استثناء انطباق کیا جائے گا۔

واقعہ یہ کردین کی تعلیمات کی اس ہمہ گیریت پرسلف وظف بیس کسی سم کا اختلاف نہیں۔ اُمت کا اس بات پر ہمیشہ سے اتفاق رہا ہے کہ دین کے احکامات جہاں عام افراد کے عقا کہ اُ ظلاق عبادات اورا کمال سے بحث کرتے ہیں وہیں دین کے احکام اُ مورسیاست اور نظام حکومت ہے بھی متعلق ہیں ، جن کی بجا آور ی بھی اُ اور ی بھی اُسلام کر خرض اور ضروری ہے جس طرح دیگر اوا مرونوائی کی بجا آوری فرض ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ فرضت اصلاً حکام سلطنت اور کارپر دازان ریاست پر عاکد ہوتی ہے کہ وہ اسلامی شریعت کو تافذ کریں اس کے مطابق فیصلے کریں امر بالمحروف اور نبی عن الممتر کا فریعنہ سرانجام دیں اور جہاد فی سبیل اللہ کا علم سربلند رکھیں۔ جب کہ عوام الناس کا فرض ہے کہ وہ انفرادی احکام کی طرح امور سلطنت سے متعلق احکام سربلند رکھیں۔ جب کہ کریں اولوالا مرکی اطاعت کریں نیز شرکی تقاضوں اور تحدیدات کے مطابق اسلامی نظام حکومت وریاست کی بھر پورکوشش کر نے رہیں اور اگر دین کا نظام قائم نہ ہوتو اسے قائم کرنے کی بھر پورکوشش کر نے ایجان اور اللہ سے دفاداری کے دین تقاضے کو بورا کریں۔

متذکرہ بالانصورات کے بارے بیں جیسا کہ عرض کیا گیا' اُمت کے معتدل دھارے بیس جھی دو رائیں نہیں رہیں۔ نبی اکرم کالیڈیئز کی حیات مبارکہ بیس اور ظافت راشدہ کے زمانے بیس وحدت دین وسیاست پرندتو عملی طور پرکوئی کوتا ہی بیدا ہوئی اور نہ ہی فکری و ذہنی انتشار پیدا ہوئے۔البتہ بعد کے اووار کاعملی نقشہ بدلتا رہا...
سیاست رفتہ رفت عملی طور پر دیانت سے جدا ہونا شروع ہوئی ...اوراصحاب سیاست اور رجالِ دین کے دائرہ کار اور دائر ہ عمل مختلف ہوتے چلے گئے۔اس دوئی کے اسباب کیا تصاور یہ تقسیم کن کن مراحل سے ہوکرا پے منطق انجام تک پنجی 'بیختر تحریر اس طویل بحث کی متحمل نہیں ہوئتی اور نہ ہی بیزیر بحث تحریر کا اصل مرعا ہے۔البتہ اس بات سے شاید کی کا دائر کی انتہا کو بینج بھی تھی۔ بات سے شاید کی کا دائر کی انتہا کو بینج بھی تھی۔

اس کے بعداستعاری طاقتوں کے براہ راست تسلط کا دورتھاجس میں مسلمان معاشروں کی بالنعل حیثیت کفار ومشرکین کی colonies کی بن گئی۔استعاری قانون سر بلند ہوا...اور معاشی وسائل مختلف ہتھانڈ وں سے استعاری طاقتوں کے کنٹرول میں آتے چلے گئے۔رفتہ رفتہ حالات کی نزاکت کے چیش نظر استعاری قوتوں نے براہ راست غلبہ کے بجائے بالواسطہ کنٹرول کی پالیسی کو اختیار کیا اور امور سیاست کو کہیں ''جہوری قبا'' پہنا کر اور کہیں آمریت کا سبق پڑھا کر...اورا مور معیشت کو ''سودی نظام بنکاری'' میں جکڑ کر ایک ایسا منظر نامہ پیدا کر دیا کہ بظام رسلمانوں کو 'آ زادی'' کی لذت حاصل رہے ۔..کین حقیقتا وہ ان کے ذبخی وفکری اور معاشی غلام منظر نامہ ای کیفیت کا غماز ہے!

موجودہ حالات کے تناظر میں بیسوال ضرور سرائھا تا ہے کہ دین وسیاست میں اس قدرعلمی وفکری ہم آئی ویکسوئی کے باوجود آج ان دونوں میں اتناعملی بُعد کیوں ہے۔ آج بیکی ویکسوئی کے بوصف اور کثیر فہ ہی سیاسی ہما ہی کے باوجود آج ان دونوں میں اتناعملی بُعد کیوں ہے۔ آج بیکی فیت کیوں ہے کہ بیشتر مسلمان ملکوں میں کفار ومشرکین کا چھوڑا ہوا نظام اور انہی کے پرور دہ حکمران مسلط میں۔ بھی ایک سیکولرگر وہ مندا قتہ ار پر براجمان ہوجا تا ہے تو بھی دوسرا حتیٰ کہ دینی مزاج کے جواصحاب اور دینی جاعتیں الیکشن کے ذریعے حصولِ اقتہ ار کے لیے مصروف عمل میں وہ بھی جمہوریت کو پورا '' فہ بی نقدیں' ویتے ہوئے اسے برقرار رکھنے کا عزم رکھتے ہیں'…اس راستے سے'' وینی سیاست'' کرنے کا زعم بھی رکھتے ہیں۔…اس راستے سے'' وینی سیاست' کرنے کا زعم بھی رکھتے ہیں۔…اور بدشمتی سے اس جدو جہد میں جاہ و مال کی فتنہ سامانیوں سے مقاومت میں ان کی سیاست اور عام سیکولرساست میں مان کی سیاست اور عام سیکولرساست میں مایاں فرق بھی نظر نہیں آتا۔

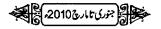
ہم اس سلسلے میں تصبح و خیرخواہی کے جذبے سے اپنا فرض سیحصتے ہیں کہ بعض اُن امور کی طرف اصحاب فکرو نظر کی توجہ مبذول کروائیں جویا تو غلط فہمی کی بنا پر اس وقت توجہ میں نہیں ہیں 'یا محض shift of وجہ سے رجالِ دین اور دینی جماعتوں کو اُنجھن (illusion) سے دوجار کیے ہوئے ہیں۔

سب سے پہلامسکد جو ہماری دانست میں دینی سیاست کے خمن میں اہم ہے وہ'' جمہوریت' سے غیر متزلزل وابستگی کا معاملہ ہے۔ پاکستان کو قائم ہوئے ۱۳ سال گزر چکے ہیں اور یہاں اقتدار کی جنگ میں جمہوریت کی لو کائنگڑی'' نیلم پری'' کے رقص کی تاریخ بھی اتن ہی پرانی ہے۔ تا ہم حقیق کیفیت یہی ہے کہ سے جمہوریت کی لو استبداد جمہوری قبامیں پائے کوب ... توسمحتاہے بیآ زادی کی ہے نیلم پری!

اندرین حالات آب بیر بات سجمنا قطعاً مشکل نہیں کہ جمہوریت اپنی اصلی شکل میں اللہ سے بغاوت اور کفروالحاد سے عبارت ہے۔ جمہوریت کی بنیاد ہی میں بینظر بیکار فرما ہے کہ حاکمیت خدا کی نہیں ، جمہور کی ہے…' للبذا قانون سازی کا حق عدا اور اس کے رسول کو نہیں … جمہورعوام کو حاصل ہے…' اور اس ضمن میں ''اکثریق رائے'' کو بالا دست مانا جائے گا' چاہے اکثریتی رائے اللہ کی راہ سے گمراہ کرنے ہی کا ذریعہ کیوں نہ ہو:

﴿ وَإِنْ تُطِعْ آكُثَرَ مَنْ فِي الْآرُضِ يُضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ﴿ ﴾ (الانعام: ١١٦)

یمی وجہ ہے کہ جمہوریت کومشرف بداسلام کرنے کی جملہ کوششوں کا حاصل مارے سامنے ہے۔اس لیے کہ







جمہوریت کے بعض ایسے شبت پہلوجن سے اسلامی نظام سیاست میں جزوی طور پر استفادہ کیا جا سکتا ہے مثلاً مشاورت عامہ یا خلیفہ کے چناؤ میں رائے شاری وغیرہ ..... انہیں صرف ای صورت میں بروئے کا رلاناممکن ہے جبکہ اللہ کی حاکمیت اور شریعت کی غیر مشروط بالادتی پر کسی قتم کا اختلاف نہ ہو ..... اور بہوریت کو سلمان کرنے پردیا کے بنیا دی جمہوریت کو مسلمان کرنے پردیا گیا ہے عملاً جمہوریت اتنی ہی بے دین بنتی چلی گئی ہے ... اور اب تو دین سیاسی جماعتوں نے واضح طور پر سیاسی جماعتوں نے واضح طور پر سیاسی جدوجہد کو ''مفادات'' کے حصول اور معجد و مدرسہ کے ''بقا'' کی کوشش قرار دیتا بھی شروع کر دیا ہے ... گویا امور سلطنت میں احکام شریعت کی بالادتی سے نظری طور پر بھی پسپائی اختیار کر لی گئی ہے۔ ہماری نگاہ میں بیم مغربی فکر وفلے فی بہت بڑی فتی کے اور خیا کر اللہ کی مقاکر اللہ کی مغربی فکر وفلے فی بہت بڑی فتی کے دین کے علمبر داروں کے ہاتھ میں جمہوریت کا پر چم تھا کر اللہ کی حاکمیت کے دعوے سے آئیس '' کر دیا ہے۔

معاطے کی سیختی کے پیشِ نظر علماء ٔ رجالِ دین اور دین سیاسی جماعتوں کواب اپنا قبلہ درست کرنا ہی ہوگا۔
انہیں ضرور جائزہ لینا ہوگا کہ جس جمہوری سیاست میں وہ خور آ پھنے ہیں ... یا... انہیں حالات نے لا پھنسایا ہے
اس کے بارے میں دین کا مطالبہ ان سے دراصل کیا ہے کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ دین سیاست کے لبادے میں
مفادات کی جوسیاست چل رہی ہے ' اس کے نتیج کے طور پر بجائے اپنی دینی ذمہ داری پوری کرنے کے ... ' وہ
ہوری سیاست کی تقویت کا ذریعے بن کراللہ کی ناراضگی کا باعث بن رہے ہوں؟ نعوذ باللہ من ذٰلک! اللہ
تعالیٰ جمیں صبحے راستہ اختیار کرنے کی توفیق عطافر مائے...' آمین۔

دین وسیاست کے خمن میں دوسرااہم معاملہ ان کے باہمی تعلق اور نبیت و تناسب کا ہے… یعنی اس بات کا لحاظ اور وضاحت کہ اِن دونوں میں''مقصود'' اور'' وسیلہ''ہونے کا باہمی تعلق اور باہمی نسبت و تناسب کیا ہے۔ اس خمن میں ہمارا مشاہدہ ہے کہ عوام وخواص… ہر دو طبقے میں لوگ بالعوم افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ ہوتا سیسے کہ بسااوقات سیاسی جدد جہد کے شوق وجذبہ میں سیات ملحوظ نہیں رہ پاتی کہ سیاسی جدوجہدا ورسیاسی خلبہ فی نفسہ'' مقصود'' ہے یا کسی مقصود حقیق کے خمن میں'' وسیلہ'' ہے۔

ای معاملے کی دوسری انتہا یہ دیکھنے میں آئی ہے کہ بعض دفعہ انفرا دی تقوی اور للہیت کے زور میں ...
سیاسی غلبہ کے شمن میں عائد فرائف کو' دنیا داری' قرار دے کر ... اور امور سلطنت سے متعلق احکام شریعت کو
کارپر دازان سیاست کے حوالے کر کے ... اور مجد و مدر سہ اور خانقاہ میں مقید ہو کر تعلیم و تعلّم کی ذمہ داری ادا
کر کے خود کو بری الذمہ بجھ لیا جاتا ہے اور امور سیاست کے شمن میں دین کی جانب سے جوفر اکفن خاص طور پر
ایل علم برعائد ہوتے ہیں' انہیں یکسر فراموں کر دیا جاتا ہے۔

متذکرہ بالا افراط وتفریط کے ختمن میں پہلی گزارش توبہ ہے کہ قرآن وسنت کی تعلیمات اور علماء وفقہاء کی پیش کردہ تصریحات کے مطابق ہر کلمہ کو کے لیے' چاہوہ عام انسان ہویا سربراہ مملکت' زندگی میں مقصودِ اصلی رضائے اللہ ہی ہونا چاہیے۔اے اگر حکومت کرنی ہے' اقامتِ دین کی جدوجہد کرنی ہے یا ایک عام شہری کی

حیثیت سے زندگی گزار نی ہے... ہر حال میں اس کا مقصدِ حیات اللہ کی رضا اور آخرت میں فلاح کا حصول ہی ہوتا چاہیے۔ گویا سیاست و حکومت بجائے خور مقصو ذہیں ہے بلکہ بیاصل مقصو د کے لیے وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ اس خارزار انجاہ کی ضرورت اس لیے پیش آئی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے دین سیاس طلقے سیاست کے اس خارزار میں نفس اور شیطان کے پھیلائے ہوئے جال میں اس طرح پھنس جاتے ہیں کہ وہ اصل مقصو داور وسیلہ کے میں نفس اور شیطان کے پھیلائے ہوئے جال میں اس طرح پھنس جاتے ہیں کہ وہ اصل مقصو داور وسیلہ کی ماہین فرق واقعیان جو است کے اس مقصود ہن جاتا ہے اور مقصو دنظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے۔ نیجیاً وہ کام جو سیاست و حکومت کی سطح کا ہو ... وہی اصل اور اعلیٰ کام قرار پاتا ہے۔ جب کہ دین پڑمل اور استقامت کے دوسرے جملہ اسالیب کمتر و نیج نظر آنے لگتے ہیں۔

متذکرہ بالاتقریکا ہرگزید مطلب نہیں ہے کہ سیاست وحکومت کی بھی درجہ میں مطلوب اور مقصود نہیں میں۔ بلاشبد دین کی سیاسی سر بلندی اور اس کی منظم جدو جہدا بی جگہ بڑے اہم مقاصد ہیں ... جن پر بہت سے امور دینیہ کا مدار ہے۔ شریعت کی غیر مشروط بالا دی کے بغیرا جماعیات انسانی کے بیشتر شعبوں کو دینی تعلیمات و احکامات کے تحت لا ناممکن نہیں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ نفاذ شریعت کے بغیرا کی فرد کے لیے ذاتی عبادت اور ذاتی تقوی ولا ہیت کے تقاضے پورے کرنا بھی ممکن نہیں۔ ہمارا کہنا تو صرف سے ہے کہ ایسی سیاست اور سیاسی جدو جُہد جس میں اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح پیشِ نظر ندر ہے ... بلکہ محض جاہ وسلطنت مفادات اور 'جہوریت' کے مقاصد پیشِ نظر ہوں' ہرگز فائدے کا سود انہیں۔

ع بالى تجارت من ملمال كاخسارا!

آخری بات یہ ہے کہ دین کی اس غریب الوطنی کے دور میں جبکہ صرف سیاست وحکومت بی کے شمن میں نہیں عقا کہ اضاق اطاعت جہاد غرضیکہ ہر پہلوسے دورز وال اپنی انتہا کو پنجا ہوا ہے اور کیفیت بقول سولانا حالی ہے ہے کہ ۔۔

وہ دیں جو بردی شان سے نکلا تھا وطن سے

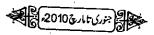
پردلیں میں وہ آج غریب الغربا ہے!

احیائے دین اور غلبہ دین کی آج سب سے بردی ذمہ داری طبقہ علماء اور رجالی دین پر عائد ہوتی ہے۔ اگریہ حضرات ' حزب اللہ'' بن کر ... اور تمام مسلکی اور فرقہ وارانداختلافات سے بلند ہوکر ... خالصة رضائے اللی حضرات ' حزب اللہ'' بن کر ... اور تمام مسلکی جدوجہد کے لیے میدانِ عمل میں نداتر سے ... تو ہمیں اندیشہ ہے کہ '' آمت مرحوم'' کا جزو بننے اور ' العُلمَاءُ وَرَقَهُ الْاَنْبِيَاءِ '' کا حقد ارکہلانے کی' ' نوید' ... إن ذمه داريوں کو پورا ندکر نے کی کسی'' وعید'' کے سامنے بے وقعت ندہ وجائے' کہ ... ع

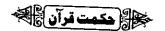
جن کے رہے ہیں بیواان کی بیوامشکل ہے!

الله تعالیٰ ہم سب کوا بی دینی ذمہ داریاں بورا کرنے کی توفیق عطافر مائے 'آمین۔









# قران عیم کی سورتوں کے مضامین کااجمالی تجزیہ

از: **ڈاکٹراکسسرار حمد** ترتیب و تددین: سید برہان علی ۔خالد محمود خضر

# سُورة الفُرقان

﴿ تَبَارُكَ الَّذِي نَوَّلَ الْفُوْفَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُوْنَ لِلْعُلَمِيْنَ نَذِيْرًانَ ﴾ ''بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے نازل فر مایا اپنے بندے پرفر قان (حق و باطل اور صدافت و کذب کو علیحہ ہ کردینے والی شے ) تا کہ وہ تمام جہان والول کے لیے خبر دار کردینے والا بنے '' گویا نزولِ قرآن کا مقصد ہے انذار یعنی خبر دار کردینا۔اور محمد رسول اللّٰه کَالْتَوْمُ کُوپُوری نوعِ انسانی کے لیے بشیرو نذیرینا کر بھیجا گیا ہے: ﴿ وَمَا اَرْسَلُنْكَ إِلَّا كَافَةً لِّلنَّاسِ بَشِيدًا وَنَذِيرًا ۔۔۔۔ ﴾ (سا: ۲۸)





﴿الَّذِى لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذُ وَلَدًا وَّلَمُ يَكُنُ لَّهُ شَرِيْكٌ فِى الْمُلُكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيْرًا۞﴾

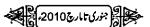
''وہ ذات جس کے لیے باوٹای ہے آ سانوں اور زیمن کی جس نے کسی کو اپنا بیٹا یا بٹی نہیں بنایا اور باوٹا اور شاہت میں جس کے کیے ایک اندازہ شہرایا'' سے باد شاہت میں جس کا کوئی شریک نہیں۔ ای نے ہرشے پیدا کی اور اُس کے لیے ایک اندازہ شہرایا'' سے اب ذرااس کا موازنہ کریں سورہ نی امرائیل کی آخری آیت سے جوتو حید کا ایک عظیم خزانہ ہے:
﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی لَمْ یَتَّ بِحَدُ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَهُ شَرِیْكٌ فِی الْمُلُكِ وَلَمْ یَکُنْ لَهُ مَا مِنْ اللّٰهِ اللّٰهُ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهُ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهُ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهُ اللّٰهِ اللّٰ

''آپ کہہ دیجیے کہ تمام شکر و تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا یا بیٹی بنایا ہے اور نہ بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے' اور نہ ہی اس سب سے کہ وہ کمزور ہے کوئی اس کا مددگار ہے' اور اس کی بڑائی بیان سیجیے جیسا کہ اُس کی بڑائی کاحق ہے''

پھر سورہ بنی اسرائیل میں ذکر آیا کہ لوگوں نے حضور کا انتخاب مجودوں کے مطالبے کیے۔ یہاں سورۃ الفرقان کے پہلے رکوع میں قرآن تکیم پر کفار کے اعتراضات بیان ہوئے کہ اسے آپ نے خود ہی گھڑ لیا ہو یا کہ یہ پرانے وقتوں کی کھی ہوئی چزیں ہیں۔اس کے جواب میں بتایا گیا کہ یہ براظلم اور بخت جھوٹ ہے جس پر بیاوگ ارآئے ہیں درآں حالیہ یہ اس کی جواب میں بتایا گیا کہ یہ براظلم اور خت جھوٹ ہے ہے۔ پھرآپ کی ذات پراعتراضات کیے گئے کہ یہ کیسارسول ہے جو کھا تا پیتا بھی ہے بازاروں ہیں بھی جانتا ہے۔ پھرآپ کی ذات پراعتراضات کیے گئے کہ یہ کیسارسول ہے جو کھا تا پیتا بھی ہے بازاروں ہیں بھی جاتا ہے اور کاروبار بھی کرتا ہے۔ کیوں نہ کوئی فرشتہ ان کی طرف تا زل کیا گیا؟ یا ان پرکوئی نزانہ اتارد یا جاتا یا پھرکوئی ایسا باغ ہی دے دیا جاتا جس ہے خود بخو و پھل اور میوے ان کو ملتے رہتے اور کوئی معاثی جدو جہد نہ کرنی پڑتی ۔اس کے جواب میں دوسرے رکوع میں سے بتایا گیا کہ دراصل میہ قیامت کی گھڑی کو جھلا چکے ہیں' اورا ہے ہی لوگوں کے لیے ہم نے بحرائی آگ کے تیار کررکھی ہے' ورنہ اللہ تو اس پر قادر ہے کہ وہ فرمایا گیا کہ ہم نے آپ ہے بہلے بھی جتنے رسول بھیج وہ سب کھاتے پیتے بھی تھے اور بازاروں میں بھی کو فرمایا گیا کہ ہم نے آپ ہے بہلے بھی جتنے رسول بھیج وہ سب کھاتے پیتے بھی تھے اور بازاروں میں بھی کے لیے آبا کہ ہم نے آپ ہے بہنے البتہ ہم نے ابعض کو بعض کے لیے آن مائش بنادیا ہے۔

تيسر \_ ركوع كى ابتداان الفاظ \_ مور بى ب:

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَ مَا لَوْ لَآ أَنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلْيَكَةُ أَوْ مَرَى وَبَنَا ﴿ آيت ٢١) "أوركباان لوگوں نے جنہیں ہماری ملاقات کی أمید نہیں ہے کیوں نہیں نازل کیے گئے ہم پرفرشتے یا ہم دکھے لیتے اپنے ربّ کو؟"



اس کے جواب میں فر مایا گیا کہ انہوں نے بڑا استکبار اور گھمنڈ کیا ہے اور سرکشی میں یہ بہت دورنکل گئے ہیں۔جس روزیہ فرشتوں کو دیکھیں گے وہ مجرموں کے لیے خوشی کا دن نہیں ہوگا اور وہ پکاراٹھیں گے کہ خداکی بناہ!

آیت ۲۳ میں میضمون آیا ہے کہ جولوگ نیک اعمال دُنیوی شہرت اور دکھاوے کے لیے کرتے ہیں اللہ کی نگاہ میں ان کے اور انہیں ایک شوکر لگا کر اللہ کی نگاہ میں ان کے اور انہیں ایک شوکر لگا کر الرقی ہوئی خاک بناڈ الیں گے۔ای رکوع میں بیآیت بھی آئی ہے:

﴿ وَقَالَ الرَّسُولُ يُرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُواْ هَٰذَا الْقُرْانَ مَهْجُورًا ﴿ ﴾

اس آیت کے دومفہوم ہو سکتے ہیں۔ایک مید کہ قوم قریش کے بارے میں ونیا میں بھی حضور مُلَاثِیمُ کا اللہ کی جناب میں میشکوہ ہوکہ میری قوم نے تیری کتاب کوترک کے دکھ دیا ہے۔ دوسرامفہوم اس کا می بھی لیا گیا ہے کہ آخرت میں حضور مُلَاثِیمُ کی میڈر یا دہوگی کہ میرے مانے والوں نے میرے بعداس کتاب کو پیٹے دکھا دی تھی۔

اس کے بعدایک اعتراض نقل ہوا کہ یہ پورا قر آن ایک ہی وقت میں کیوں نہیں اتار دیا گیا؟ بتایا گیا کہ بیاس لیے کیا گیا ہے کہ ہم وقا فو قاتھوڑا تھوڑا قر آن نازل کر کے اس کے ذریعے آپ کا دل مضبوط کرتے رہیں ۔اس کے بعد کچھا نبیاءورسل اور سابقہ قو موں کا ذکر ہوا ہے۔

ال ركوع كة خريل بيبهت الهم آيت آئى ب:

﴿ اَرَءَ يُتَ مَنِ اتَّخَذَ اِللَّهَهُ هَوامهُ ۚ افْاَنْتَ تَكُونُنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿ ﴾

''(اے نی'!) کیا آپؑ نے اُس مخف کے حال پرنظر کی جس نے اپنی خواہشات بفس کوا پنا خدا بتالیا

ے؟ كيا آپ اے راوراست برلانے كاذمه لے علتے بيں؟"

مزید فرمایا که بدلوگ توچو پایوں کی مانندین بلکدان سے بھی بدتر۔

چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ اپنی نشانیاں اور اپنی قدرت بیان فر مائی ہے۔ آیت ۵ میں ارشاد فر مایا:

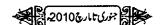
﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُ وَا ۚ فَآبَلَى ٱكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿ ﴾

''ہم نے اس ( کتاب کے مضامین ) کو دہرا دہرا کران کے سامنے بیان کر دیا ہے تا کہ یہ تھیجت حاصل کریں'لیکن اکثر لوگوں نے انکارا در تاشکری ہی کار دییا ختیار کرر کھا ہے۔''

اس آیت کا مواز نہ سور و بنی اسرائیل کی آیت اس ہے کریں تو یمی مضمون وہاں نظر آتا ہے۔اس

کے بعد آیت ۵۲ میں وار دشدہ بیالفاظ نہایت اہم ہیں:

﴿ فَلَا تُطِعِ الْكُفِرِيْنَ وَجَاهِدُهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿ ﴾







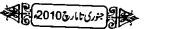
'' تو آپ ان کا فروں کی بات ہرگز نہ مایے' اوران کے ساتھ جہاد کیجیے اس قر آن کے ذریعے بہت براجاد''

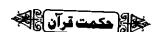
یر بہت معلوم ہوا کہ دعوت و تبلیغ اور تربیت و تزکیہ کے مرطے پر جہاد کے لیے اصل بتھیار قر آن ہے جبکہ اللہ کی راہ میں سر بکف ہوکر میدانِ کارزار میں نکلنے کے مرطے پرمؤمن کا بتھیا رنگوار ہے۔

اس سورہ مبارکہ کا آخری رکوع ہمارے نتخب نصاب میں بھی شامل ہے۔اس رکوع میں ایک مرو موسی کی شخصیت کے اعلی اوصاف بیان ہوئے ہیں 'جنہیں'' عبادالر جن 'کے اوصاف بہا گیا ہے۔ وہ موسی کی شخصیت کے اعلی اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ جابل اوراجڈ لوگوں کے ساتھ الجھے نہیں ہیں۔ وہ اپنے جب زمین پرچلیں تو آ ہت گی کے ساتھ چلتے ہیں۔ جابل اوراجڈ لوگوں کے ساتھ الجھے نہیں ہیں۔ وہ اپنے رب سے رب کے لیے آئی را تیں عبادت میں کھڑے ہوکر اور جدوں میں گزارتے ہیں۔ گرگڑا کر اپنے رب سے ہم سے نجات کی دعا میں ما تکتے ہیں۔ جب خرج کرتے ہیں تو نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی بکل سے ہم سے نجات کی دعا میں ما تکتے ہیں۔ نہ تو جموٹی گوائی دیتے ہیں اور نہ تی جموٹے کام پرائی موجودگی کام لیتے ہیں بلکہ میا نہ روی اختیاں کو تاخی کو اللہ کے اور نہ تی جموٹی گوائی دیتے ہیں اور نہ تی جموٹے کام پرائی موجودگی گوائی دیتے ہیں اور نہ تی جموٹے کام پرائی موجودگی گوائی دیتے ہیں اور نہ تی کہ جا کہ طریقہ ہے گز رجاتے ہیں۔ جب اُن کو ان کے رب کی آیات کے حوالہ سے یا در ہائی کرائی جائی ہی یا موجودگی موائی ہے تا کھوں کی شنڈک عطافر ما اور جمیں مقیوں کا امام بنا دیا ۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کو ان کے صبر کی جزائے طور پر (انہوں نے ممارے ہیچھے چلئے والے لوگوں کو تھی بنا دینا ۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کو ان کے صبر کی جزائے طور پر (انہوں نے دنیا میں جو صبر کی روش افتیار کی تھی اور دیا دی کے بالا خانے ملیں کی جہاں سلام اور دعا دُن کے ساتھ ان کا ساتھ ان کا اور دو ان کی ساتھ ان کا ۔

# سورة الشَّعراء

یہ سورہ مبارکہ گیارہ رکوعوں پر شمنل ہے جن میں سے آٹھ رکوعوں میں اولوالعزم پینجبروں کا ذکر آیا اسے ہے۔ان پینجبروں نے اپنی قو موں کے سامنے دعوت پیش کی انہوں نے اس دعوت کورد کیا جس کی پاداش ہیں وہ ہلاک ہو کیں سورۃ الاعراف کی مانند یہاں بھی حضرت موکی تایی کے حالات تین رکوعوں پر شمنل ہیں جبر جبر دخسرات ہود صالح 'ابراہیم' لوطاور شعیب بینے کے حالات کا بیان ایک ایک رکوع میں ہوا ہے۔ ہم رسول کے حالات وواقعات کے تذکرے کے اختتام پر بیدو آیتیں بار بار آئی ہیں: ﴿إِنَّ فِی ذَٰلِكَ لَا اِنَّ عَلَى اللَّهِ اللَّهِ اللَّوعِيمُ ﴾ '' بیفینا اس میں بہت بری نشانی ہے' وکما تکان اکٹر کھم مُومِنین ن وائیس ہے۔اوراے نی بیفینا آپ کاربّ وہی ہے جوعزیز بھی ہے رہم مگران کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔اوراے نی بیفینا آپ کاربّ وہی ہے جوعزیز بھی ہے رہم





بھی ہے''۔ یعنی بیلوگ جو ہروقت مجزات طلب کرتے ہیں تو ان کو آفاق اور انفس میں پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیاں کیوں نظر نہیں آتی ہیں؟ بیتمام اقوام وہ ہیں جن کے حالات اہل عرب کومعلوم تھ' کیونکہ بیقویس عرب کے اطراف ہی میں آباد تھیں۔

سورة الشعراء كے بارے ميں يہ بات نوٹ كر ليجيكة تعداو آيات كے اعتبارے يہ سب ہے بڑى كى سورت ہے۔ قر آن مجيد كى سب ہے بؤى سورت سورة البقرة ہے 'جس كے ۴۶ ركوع اور ۲۸ آيات ہيں۔ قبم كے ۱۵ رکوع اور ۲۸ آيات ہيں۔ قبم كے اعتبار ہے سب ہے بؤى سورت سورة الاعراف ہے 'جس كے ۲۲ ركوع اور ۲۸ آيات ہيں ۔ مورة الشعراء كى آيات قبول جيول قبيل اور تعداد آيات سے ۲۲ ہے۔ ہيں 'كونكه اس كى آيات طورة الشعراء كى آيات قبارے مقطعات "طاستم " ہے ہوتا ہے۔ 'ط' كے بارے ميں ايك رائے يہ ہے كہ بير فسان سانپ كى شكل ميں لكھا گيا ہے 'جيے ايک پھير سانپ نے اپنا بھن الله ايہ اور ابواور نيچ كنڈلى مارى بوكى ہو ۔ حضرت موئى علي الله كا سب ہے بڑا معجزہ يہى تھا كہ ان كا عصا سانپ كى شكل اختيار كر ليتا تھا۔ اس حن رف طان ہو وا ہو نے والى سورتوں ميں حضرت موئى علي الله كا س معرف على الله كا س معرف على الله كا اس حضرت موئى علي الله كا اس معرف كا مفصل ذكر ہے ۔ سورة ماركہ كا آغاز ہوتا ہے:

﴿ طُسَمْ ﴿ يِلْكَ اللَّهُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعْ نَفْسَكَ اللَّا يَكُونُواْ مُؤْمِنِينَ ﴿ ﴾ "كَاس م يَهِ كَابِ مِين كَي آيات بين (ان بي) ثايد آپ اپ آپ كو (اس رخ اور صد مه ع) الماك كرلين مجر كي ايمان نيس لار ب!"

نی اکرم تالیخ اپنی قوم کی صلالت و گرائی صداور بٹ دھری دیکھ کرنہایت رنجیدہ اور ممکنین ہوتے سے ۔ چنانچ سورہ مبار کہ ابتدای اس حوالہ سے گئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ہم ان کے لیے ایسی شانیاں اتارہ میں کہ ان کی گردنیں جھک کررہ جا کیں اور پھریہ کچھ بھی نہ کہہ سیس ۔ بڑی سے بڑی نشانی دکھا دینا ہمارے اختیار میں ہے کیکن یہ ہماری حکمت میں نہیں ہے۔ ہمارا فیصلہ ہے کہ آپ کی دعوت اس قرآن کے ذریعہ سے تھیلے۔ معجز وں اور نشانیوں کے بجائے لوگ اپنی باطنی بصیرت کو کام میں لا کمیں اور عقل سے حقیقت کو پہیا نیں۔ اس اعتبار سے قرآن مجید ہی آپ کا سب سے برام عزہ ہے۔

دوسر بے رکوع سے حضرت موی عالیہ کا تذکرہ شروع ہورہا ہے۔ دوسر بے اور تیسر بے رکوع میں حضرت موئی اور قبیس ہے۔ تین رکوع حضرت موئی کے حالات پر حضرت موئی اور قبون کا جو مکالمہ آیا ہے وہ بہت دلچیپ ہے۔ تین رکوع حضرت موئی کے حالات پر مشتمل ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم عالیہ کا ذکر ہوا ہے کیکن سورہ ہوداور سورۃ المجر کے برعکس یہاں ان کا ذکر حضرت لوط عالیہ کے ذکر کے تابع ہوکر نہیں بلکہ آزادانہ (independently) آیا ہے۔ یہاں بھی اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ حضرت ابراہیم عالیہ کی قوم پرکوئی عذاب نازل ہوا ہو۔ یہ کوئی بڑی مشتمیٰ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ تین اقوام حضرت ابراہیم علیہ اور تین آپ کے بعد عذاب الی کا شکار ہوئیں اور تباہ



وبربادکردی گئیں۔حضرت ابراہیم کی قوم نے بھی آپ کی دعوت ردکی اور آپ وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے کیکن ان کی قوم کا حشر کیا ہوااس کا قرآن تھیم میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ جب آپ اپنی قوم سے معاملہ کررہے تھے تو آپ نے ان کے جھوٹے معبودوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّنَّ إِلَّا رَبَّ الْعَلْمِينَ ۞ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُو يَهُدِينِ ۞ ﴾

'' سن لؤیسب میرے دعمن ہیں۔ میرا دوست تو بس وہی ہے جو تمام جہاً نوں کا پروردگار ہے'جس نے مجھے پیدا کیا پس وہی مجھے ہدایت بھی دےگا''

انسان کو ہدایت دینا بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا لازمی نقاضا ہے۔انسان اپنے آپ کو اُس کے قدموں میں لا کر ڈال دے بینی اس کے حوالے کردئے پھراسے انگی پکڑ کرراہ بدایت پر چلا نااللہ تعالیٰ کے ذھے۔حضرت ابراہیم علینیانے نے مزید کہا:

'' وہی ہے جو جھے کھلاتا بھی ہے پلاتا بھی ہے۔ جب میں بیار ہوجاتا ہوں تو وہ جھے شفا دیتا ہے۔

وہی ہے جو جھے موت بھی دےگا چردوبارہ زندہ بھی کرےگا۔اور وہی ہے جس سے جھے بڑی اُ مید

ہے کہ وہ قیا مت کے دن میری خطاؤں سے درگز رفر مائے گا۔ (اس کے بعد ابراہیم علیاً انے دعا
کی) اے پروردگار! جھے حکمت عطافر ما اور صالحین کے ساتھ ملا دے۔ اور بعد میں آنے والوں
میں میرا ذکر خیر جاری رکھ (کہ لوگ میرا تام اچھائی کے ساتھ یاد کریں) اور جھے نعتوں والی جنت
کے دارثوں میں شامل کردے۔ اور میرے والد کو بھی معاف کردینا' یقیناً وہ گمراہوں میں سے تھا۔
اور جھے اُس دن رسوانہ کرنا جس دن سب اٹھائے جا کیں گئے'۔ (آیات 2 کے ۸

یے خلیل اللہ عائیلا کی دعا ہے۔ ہدایت بھی طلب کررہے ہیں اور خطاؤں سے معافی کے بھی طلب گار ہیں۔ اینے آپ کوخطاؤں سے مبری نہیں مجھ رہے ہیں۔

اس کے بعد ایک ایک رکوع میں حضرات نوح' ہود' صالح' لوط اور شعیب بیکی کا ذکر ہے اور آخری رکوع میں محمد رسول الله مالی تا ہے خطاب ہور ہاہے:

''اے نی ایپر آن رب العالمین کا نازل کروہ ہے۔اس کوروح الامین نے (ہمارے علم ہے)
عربی میں آپ کے قلب پراتاراہ 'تا کہ آپ خبر دار کرنے والوں میں ہوجا کیں۔اوراس کا
ذکرا گلے حیفوں میں بھی ہے۔۔۔۔۔''اوراس قرآن کو (ان کے کہنے کے مطابق) شیاطین (یا جنات)
لے کرنیس انرے۔وہ نداس قائل ہیں اورندان کے اندریہ استطاعت ہے۔ان کو تو دمی کی ساعت
سے بھی روک دیا گیا ہے۔ پس آپ اللہ کے ساتھ کی دوسرے معبود کومت پکار نے لگناورند آپ
بھی جنلائے عذاب کے جانے والوں میں ہوجا کیں گے۔ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کوخبردار
سیجی اوران اہل ایمان کے لیے جو آپ کا اتباع کررہے ہیں اپنے بازوں کو جھکا کرر کھیے۔اگر وہ
آپ کی نافر مانی کریں تو اُن سے اعلان براءت فرماد ہیجے۔اور تو کل سیجیائس خدا پر کہ جوزبردست





کے لیے طاقتورلوگوں کا ایک گروہ در کار ہوتا تھا۔ اگر چہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھا'لیکن اپنی قوم کا غدار اور فرعون کے دربار میں اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھا۔ ایک دفعہ جب وہ اتر اتا ہوا باہر نکلاتو اُس سے اس کی قوم نے کہا کہ اس طرح مت اتراؤ' اللہ اتر انے والوں کو پسند نہیں فرما تا۔ اور یہ جو مال اللہ نے تہمیں دے رکھا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کرواور دنیا سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کرو۔ اور جس طرح اللہ نے تہمار سے ساتھ احسان کرواور ملک میں فساد ہر پاکرنے کا خواہاں نہ تہمار سے ساتھ احسان کرواور ملک میں فساد ہر پاکرنے کا خواہاں نہ ہواللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس پر قارون کہنے لگا کہ یہ مال ودولت تو جھے میری ذاتی ہنر مندی اور علم کی وجہ سے ملاہے۔

اُس کے اس جواب پراللہ تعالیٰ کا تبصرہ ہیہے:

'' کیا اسے بیعلم نہ تھا کہ اس سے پہلے اللہ بہت ی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو اُس سے کہیں زیادہ قوت رکھتی تھیں اوران کے پاس مال ودولت بھی اس سے زیادہ تھا؟ اور (جب اللہ کے عذاب کا کوڑا برستاہے تو) مجرموں سے ان کے گنا ہول کے بارے میں پوچھا بھی نہیں جاتا'۔ (آیت ۸۷)

بالآ خرقارون كاجوعبرت ناك انجام مهوااس كاذكر بايس الفاظ كيا كيا:

﴿ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۗ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهُ مِنْ دُوْنِ اللهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ۞﴾

'' پس ہم نے قارون اوراس کے گھر کوزیٹن میں دھنسا دیا۔تو کوئی الی جماعت نہ تھی جواللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود ہی اس قابل تھا کہ بدلہ لیے سکے۔''

آ خرى ركوع كآ غازيس بيآيت آئى ہے:

﴿ لِلَّكَ الدَّارُ الْاحِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۞﴾

'' یہ آخرت کا گھر تو ہم نے ان لوگوں کے لیے مخصوص کرر کھا ہے جود نیا میں نہ بڑائی چاہتے ہیں اور نہ نساد کرنا۔اورا چھاانجام تو متقیوں ہی کے لیے ہے۔''

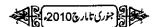
سورهٔ مبارکه کا اختیام ان الفاظ پر ہوتا ہے:

﴿ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ اِللَّهَا اخَرَ ، لَا اِللَّهَ اِلَّا هُوَ اللَّهِ عَلَى شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجُهَةَ لَهُ الْحُكُمُ وَ اللَّهِ اللَّهُ اللّ

''اوراللہ کے ساتھ کسی دوسر ہے معبود کو ہرگز نہ پکارو۔اُس کے سوااور کوئی معبود نہیں ہے۔ ہرشے فٹا ہونے والی ہے سوائے اُس کی ذات کے۔اُس کی حکومت ہے اوراُس کی طرف تم سب کولوٹ کر جانا ہے۔''

**\*\*\*\*** 







ہے رحم فرمانے والا ہے۔آپاس کی نگاہ میں ہوتے ہیں جب آپ کھڑے ہوتے ہیں رات کے وقت اور یہ جو آپ نمازیوں کے درمیان چلتے پھرتے ہیں۔ یقیناً وہ سب پچھ سننے والا جانے والا ہے۔ کیا میں تہمیں آگاہ کروں کہ شیاطین کن پر اُترتے ہیں؟ (یہ پاک بازلوگوں پرنہیں اترتے ہیں اگر تے ہیں اور یہ پہلے کہ اُترتے ہیں ہرافتر اپروازگنا ہگار پر جیسے کھی گندگی پر پیٹھتی ہے)۔ پچھٹی سائی با تیں القاکر جاتے ہیں اوران میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ (یہلوگ آپ کوشاع اور قرآن کوشعر کہتے ہیں حالا تکہ ) شعراء کی پیروی کرنے والے تو اکثر بدکر دارلوگ ہوتے ہیں۔ (اس کے برعس آپ کے پیروکار تو انتہائی باکر داراوراو صاف جمیدہ کے مالک ہیں۔) کیاتم نے شاعروں کونہیں دیکھا کہ وہ ہروادی میں سرگرداں ہوتے ہیں (اپنے کلام میں زمین و آسان کے قلاب ملاتے ہیں ) اور سے کہ جو ایمان کے کہتے ہیں وہ کرتے نہیں (ان کے قول وفعل میں تو بڑا تھنا دہوتا ہے )۔ سوائے ان کے جوالمان کے اور انہوں نے نیک اعمال کے اور انٹہ کو کثر سے یا دکیا اور انتقام لیا بھی تو اس کے بعد لیا جب ان پھم کیا گیا۔اور عقریب ان ظالموں کو معلوم ہوجائے گا کہ انہیں کیسی جگہ لوٹ کر جانا ہے جب ان پظام کیا گیا۔اور عقریب ان ظالموں کو معلوم ہوجائے گا کہ انہیں کیسی جگہ لوٹ کر جانا ہے جب ان پظام کیا گیا۔اور عقریب ان ظالموں کو معلوم ہوجائے گا کہ انہیں کیسی جگہ لوٹ کر جانا ہے در ان را اور وہ کس انجام سے دوچار ہوں گے۔)'' (آیا۔1714)

## سُورة النَّمل

سورة النمل سات رکوعوں پر مشتل ہے۔اس میں پہلا رکوع کیچے تظیمی مضامین پر شتمل ہے۔ آغاز حروف مقطعات ' کطس '' سے ہور ہا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

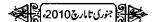
﴿ طُسَ ۗ تِلْكَ الِنَّ الْقُرُانِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنِ ۞ هُدًى وَّبُشْرَاى لِلْمُؤْمِنِيُنَ۞ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلُوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكُوةَ وَهُمْ بِالْأَخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۞﴾

''طس \_ بيقرآن عكيم اور كتاب مين كي آيات بي \_ هدايت اور بشارت به ايل ايمان كي تن من و ماي ايمان كي تن من و من و

آ گے فرمایا کہ اس کے برعکس جولوگ آخرت پریقین نہیں رکھتے ہم ان کے لیے ان کے اعمال دنیا میں مزین کردیتے ہیں اور پھروہ اس راستے پراندھا دھند چلتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے بدترین سزا ہے اور آخرت میں یہی لوگ سب سے زیادہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔ اور اے نبی ایو آن جو آپ جو کو دیا جا رہا ہے۔ آپ کو دیا جا رہا ہے ایک حکیم اور علیم استی کے پاس سے آرہا ہے۔ اس حمن میں آخری آیت اس کے بعد رکوع کا بچھ حصہ حضرت موی ایکیا کے ذکر پر مشتل ہے۔ اس حمن میں آخری آیت

اس کے بعد رکوع کا میکھ حصد حصرت موکی ایکیا کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اس ممن میں آخری آیت بہت اہم ہے جس میں فرعون اور آل فرعون کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتُهَا ٱنْفُسُهُمْ ظُلُمًا وَّعُلُوًّا ۖ فَانْظُرُ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَهُ







الْمُفْسِدِيْنَ ﴿

۔ ''اورانہوں نے (موٹی کی رسالت اوران کے معجزات کا) انکار کیاظلم اور تکبر کے مارے ٔ حالا تک ان کے دل اس کے قائل ہو چکے تھے۔ تو دیکیولو کہ کیاانجام ہواان مفسدول کا!''

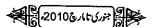
اگلے دورکوعوں میں حضرات داؤد وسلیمان عظیم کاذکر آیا ہے اورخصوصاً حضرت سلیمان اور ملکہ سباکا واقعہ میں حضرات داؤد وسلیمان عظیم کاذکر آیا ہے اورخصوصاً حضرت سلیمان اور ملکہ سباکا واقعہ میں بہاو خاص طور سے اُجاگر کرتا ہے۔ مثلاً حضرت سلیمان علیم جو واقعات بیان کرتا ہے۔ مثلاً حضرت سلیمان علیم جو اُقعات بیان کرتا ہے۔ مثلاً حضرت سلیمان کالشکر مہیں کچل ندرے تو وہ متبہم نے کہا کہ چیونٹیوا ہے اپنے سوراخوں میں تھس جاؤ' کہیں حضرت سلیمان کالشکر مہیں کچل ندرے تو وہ متبہم ہوئے کہا کہ چیونٹیوں کی بات کو مجھے لیا اور فوراً بارگا و خداوندی میں عرض کیا کہ پروردگار مجھے تو فیق عطافر ماکہ میں تیراشکرادا کرسکوں اُن انعامات پر جوتو نے مجھے اور میرے والدکوعطافر مائے اور میں نیک عمل کرسکوں کہ جن سے تو راضی ہو جائے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فر ما!

پھر جو خط حضرت سلیمان تائیلی کی جانب سے ملکہ سبا کو بھیجا گیا تھا'اس کے بارے بیں ملکہ اپنے دربار
میں اپنے سرداروں سے مخاطب ہو کر بتارہ ہے کہ مجھ پر ایک بہت باعزت خط ڈالا گیا ہے۔ یہ خط سلیمان کی جانب سے ہے اوراس کا آغاز اللہ کے نام سے ہے جورخمن ورجیم ہے۔ ملکہ سبا کے فہم کا اندازہ اُس کی اس بات سے ہوتا ہے جو اُس نے اہل دربار سے کہی کہ جان لو بادشاہ جب کی بہتی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کے اندازہ اُس کے نظام کو درہم برہم کر دیتے ہیں اور دہاں کے عزت داروں کو نیچا کر دیتے ہیں۔ یہ ایک بہت ہی اہم سیاسی ضابطہ ہے کہ جب بھی کوئی حاکم قوم محکوم قوم کو دبانے کے لیے آتی ہے تو قوم کے اعلیٰ طبقات کے افراد کو ذکیل کرتی ہے اور گھٹیا لوگوں کو اُبھارتی ہے۔ پھر حضرت سلیمان نے ملکہ کا تخت اٹھوالیا جو بلک جھیکئے سے پہلے آپ کے پاس پہنچ گیا۔ اس پر بھی آپ نے فورا اپنے رب کی ملکہ کا تخت اٹھوالیا جو بلک جھیکئے سے پہلے آپ کے پاس پہنچ گیا۔ اس پر بھی آپ نے فورا اپنے رب کی سے تو بیف اور بزرگی بیان کرتے ہوئے اس کاشکرادا کیا اور ملکہ نے حضرت سلیمان کی اطاعت قبول کر لی۔

اگلےرکوع میں حفرت صالح اور حفرت لوط بینا کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد کمی سورتوں کے اسلوب کے مطابق اللہ تعالی نے اپنی قدرت اور بہت می نشانیوں کا ذکر فرما یا اور کفار کمدکی کٹ ججتی اور ضد بیان فرمائی کدان سب چیزوں کو دیکھتے ہوئے بھی بیراہِ راست پر آنے کے لیے تیار نہیں۔ ان کو مُردوں سے تصبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ﴿انَّكَ لَا تُدْمِعُ الْمَوْتَلَى ﴾ 'نیٹینا آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے'' پھر قیامت کے روزان کا جوانجام ہوگا اُس کا ذکر کیا گیا۔

آخرى حصه مين رسول الله مَنَا يَتَوَاكُم عن فرمايا كياكم آب ان سے كهدد يجيد:

'' بجھے تو یہی تھم دیا گیا ہے کہ بیں اس بہتی ( کمہ مکرمہ ) کے ربّ کی بندگی کروں جس نے اس شہر کو محتر م ظہرایا ہے اور جو ہر شے کا ما لک ہے' اور جھے تھم دیا گیا ہے کہ بیں اُس کے فرما نبر داروں میں





سے بن جاؤں اور میقر آن پڑھ کر سناؤں۔ پھرجس نے ہدایت پائی تو اپنے بھلے کے لیے ہدایت پائی اور جس نے گمرابی اختیار کی تو اُس سے کہد دیں کہ میں تو بس ایک خبر دار کر دینے والا ہوں۔ اور آپ ان سے کہد دیں کہ تمام تر تعریف اللہ بی کے لیے ہے وہ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا اور تم آئیس بچپان لوگے۔ اور تمہار ارب اُن اعمال سے بے خبر نہیں ہے جوتم لوگ کرتے ہو'۔ (آیات ۱۹۔۹۳)

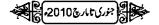
## سورة القَصَص

یہ سورہ مبارکہ نورکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے چاررکوعوں میں حضرت موٹی علیہ اگا ذکر پھر کائی تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں زیادہ تر واقعات جو آپ کے بچپن میں پیش آئے اوراس سے پہلے سورہ طلا میں آچکے ہیں دوبارہ تفصیلا بیان ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کا اپنا ایک انداز ہے کہ مجر داعادہ کہیں نہیں ہوتا بلکہ واقعات کے اندر نئے نئے پہلو خصوصاً تذکیر کے پہلواجا گرہوتے ہیں۔ سورۃ الشعراء سورۃ المثمل اور سورۃ القصص کے بعدد گرے نازل ہوئی ہیں۔ اس لحاظ سے ان مینوں میں ایک قربی تعلق یہ ہے کہ حضرت موٹی کے حالات وواقعات کے مختلف اجزاء ان سورتوں میں بیان ہوئے ہیں اور باہم مل کر ان کی تکیل ہوجاتی ہے۔ سورۃ الشعراء میں نبوت کا منصب ملنے کے حوالہ سے حضرت موٹی بارگا والہی میں عرض کرتے ہیں کہ تو مِ فرعون کے ایک فرد کا قل میرے ذمہ ہے جس کی وجہ سے میں ڈرتا ہوں کہ وہاں عاد کی گاتو قبل کر دیا جاؤں گا۔ آگے کی بات وہاں بیان نہیں ہوئی بلکہ اس سورۃ میں بیان ہوئی بلکہ وہ اس مورۃ میں بیان نہیں ہوئی ہلکہ وہ اس مورۃ میں بیان نہیں ہوئی ہا کہ وہ تین سورۃ میں بیان نہیں گیا ہو اس مورۃ میں بیان نہیں ہوئی ہوئی ہوئیں۔ اس طرح یہ تینوں سورۃ میں بیان نہیں ہوئی ہوئی ہوئیں۔ اس طرح یہ تینوں سورۃ میں بیان نہیں گیا ہوئی ہوئیں۔

﴿ طُسْمَةً ۞ تِلْكَ النِّتُ الْكِتَٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ ﴾ " طسمةً ۞ تِلْكَ إين كَلَ يات إِس.''

'' ہم آپ کو پڑھ کرسنارہے ہیں موی اور فرعون کے حالات حق کے ساتھ اُن لوگوں کے لیے جو ماننے والے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی افتیار کی تھی اور اس نے زمین میں بسنے والوں کو گروہوں میں منتقسم کردیا تھا' ایک گروہ کو اُس نے دبا کر کمزور کر رکھا تھا' اُن کے بیٹوں کو قتل کردیتا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔ یقیناً وہ فسادیوں میں سے تھا۔ اور ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم اُن لوگوں پر احسان فرما کیں جو زمین میں دبا دیے گئے تصاور انہی کو ہم امامت دے کرزمین کا

15





وارث بنادين'۔ (آيات٣-٥)

یہ پہلو جواس سے پہلے اس طرح نہیں آیا اس سورۃ میں خاص طور پرنمایاں ہوکر آیا ہے۔ اِس دور کے حوالے سے بھی یہالو جواس ہے۔ معاشرہ کے اندر بیطبقاتی تقسیم غلط نظام کی وجہ سے خواہ سیاسی اعتبار سے غلط ہویا معاشی اعتبار سے نہیا ہو جاتی ہے 'جواس معاشرہ کی بدشمتی کا بڑا سبب بنتی ہے۔ پھر حضرت موسیٰ ایکیا کی بوری داستان کا یہ پہلو یہاں خاص طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ اپنی جان بچا کر مصر سے نگلے اور پوراصحرائے سیناعبور کر کے مدین پنچے تو وہاں وہ واقعہ پیش آیا کہ کنویں پر چروا ہے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے اور دو بچیاں خوف کی وجہ سے دور کھڑی تھیں۔ آپ نے آگے بڑھ کران کی بحریوں کو پانی پلایا اور پھر درخت کے سائے میں بیٹے گئے۔ وہاں آپ کی نہو کوئی جان بیچان تھی اور نہ بی آپ کی نہو کوئی جان ہی کیا یا در ہے جان الکل لا چاری کی کیفیت سے میں آپ نے بیا سے میں آپ نے باس کوئی سر مایے تھا 'بالکل لا چاری کی کیفیت سے میں آپ نے اپنے جانور بی کے باس کوئی سر مایے تھا 'بالکل لا چاری کی کیفیت سے میں آپ نے نہائے کر ب سے جن الفاظ میں دعا کی وہ ہرخض کو یا دکر لینے چاہئیں:

﴿ رَبِّ إِنَّىٰ لِمَاۤ ٱنْزَلْتَ إِلَىَّ مِنْ جَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿

" پروردگار! تومیری جھولی میں جوخیر بھی ڈال دے میں اس کامحتاج ہوں۔"

یہ گویا ایک انسان کی احتیاج کی انہا ہے۔حضرت موکی ایٹی کے حالات وواقعات بیان کرنے کے بعد پانچویں رکوع میں فرمایا کہ یہ تو آپ کے رب کی رحمت ہے کہ ہم آپ کوان تمام حالات مے مطلع کررہے جیں تاکہ آپ اُن لوگوں کو متنبہ کریں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی متنبہ کرنے والانہیں آیا۔

پھر چھٹے رکوع میں اہل کتاب میں ہے ایمان لے آنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس قر آن پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام جائیے ہیں۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام جائیے ہیں۔ ایمان لانے سے قبل یہودی تھے۔ فرمایا:

''یہ وہ لوگ ہیں جن کوان کی ثابت قدی کی وجہ سے دُہراا جردیا جائے گا۔وہ برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں اور جو پچھے ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔اور جب کوئی لغوبات سنتے ہیں تو نظرانداز کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے عمل نم کوسلام ہے' ہم جاہلوں سے الجھنانہیں چاہجے۔'' (آیات ۵۵۔۵۵) اس کے بعد رہے آیت آئی ہے:

﴿ اللَّكَ لَا تَهْدِى مَنُ اَحْبَنْتَ وَلِكِنَّ اللَّهَ يَهْدِى مَنْ يَشَآءُ وَهُوَ اَعُلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿ ﴾ "(اے بی) آپ کے افتیار میں نہیں ہے کہ آپ جے چاہیں ہدایت دے دیں بلکه اللہ جے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہی ہدایت پانے والوں کوخوب جانتا ہے۔"

آ تھویں رکوع میں قارون کا ذکر آیا ہے جس کواللہ نے استے خزانے عطا کیے تھے کہ ان کواٹھانے





# ترجمه فراك مجيد

#### مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد بإرمرحوم ترتيب وتدوين: لطف الرحمٰن خان

سورهٔ آل عمران (ملس)

#### آبات ۱۲۰ تا ۱۲۳

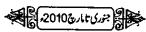
﴿إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلُكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِّنْ اللّهُ فَكَ اللّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿ وَمَا كَانَ لِنَبِي اَنْ يَغُلُّ وَمَنْ يَغُلُلُ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ اللّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿ وَمَا كَانَ لِنَبِي اَنْ يَغُلُّ وَمَنْ يَغُلُلُ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ اللّهِ فَكُنْ اللّهِ وَمَا وَلهُ جَهَنَّمُ وَ يَشْسَ الْمُصِيْرُ ﴿ هُمُ وَرَجْتٌ عِنْدَ اللّهِ وَاللّهُ بَصِيْرٌ وَمِمْ لَا يُعْمَلُونَ ﴾ وَمِنْ اللّهُ مِصْدُرُ ﴿ هُمُ وَرَجْتٌ عِنْدَ اللّهِ وَاللّهُ بَصِيْرٌ وَمِمْ لَا يَعْمَلُونَ ﴾ وَمَا يَعْمَلُونَ ﴾

#### <u>خدل</u>

خَذَلَ (ن) خَذْلًا : ماتھ چھوڑ دینا' حمایت ترک کرنا' آیت زیرمطالعہ۔

مَخْدُولٌ (اسم المفعول): حمايت جهورُ ابوا ببس ﴿ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَخُدُولًا ﴿ ) (ابني اسراء يل) " نتيجًا توبيضي كاندمت كيابوا ببس كيابوا "

خَدُونُ ﴿ وَهُونُ ﴿ كَوزِن بِرِمِالِغِهِ ﴾ : انتهائى نازك وقت برساته چھوڑنے والا عين وقت بردغا دينے والا۔ ﴿ وَكَانَ الشَّيْطُنُ لِلْإِنْسَانِ خَدُولًا ﴿ ﴾ (الفرقان) ''اورشيطان ہے انسان كے ليے انتهائى دغا باز''







غ <u>ل ل</u>

عَلَّ (ن) عَلَّا: (١) چھپانا (٢) طوق پہنانا (٣) باندھنا۔ ﴿ عُلَّتُ ٱيديْهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ﴾ (المائدة: ٦٤) " باندھے كان كے ہاتھاس كے سبب سے جوانہوں نے كہا۔ "

مَغُلُولَةٌ (اسم المفعول) : بندها بوار ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغُلُولَةٌ ﴿ ﴾ (المائدة: ٢٥) أور كما يبوديول في الله كاباتھ بندها بواہے ''

غُلُّ (فعل امر) : توطوق پہنا' تو باندھ۔﴿خُدُوهُ فَعُلُوهُ۞﴾ (السافة)'' تم لوگ پکڑواس کو پھر طوق بہنا وَاس کو ''

غَلُّ جَ أَغُلَالُ (اسم ذات) : طوق ﴿ إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَغْنَاقِهِمُ أَغُلَلًا ﴾ (يسَ: ٨) ' بِ شك بم نے بنائے ان كى كرونوں ميں كچھطوق ـ ''

عَلَّ (ض) غِلاًّ : ول مِن كينه يا كدورت مونا\_

غِلَّ (اسم ذات): كينهُ كدورت - ﴿ وَ لَا تَجْعَلُ فِيْ قُلُونِهَا غِلَّا لِلَّلِينَ الْمَنُوا ﴾ (الحشر: ١٠) "اورتومت بناہارے دلوں میں كوئى كدورت ان لوگوں كے ليے جوايمان لائے ـ"

<u>س خ ط</u>

سَخِطُ (س) سَخُطًا : عُصر كرنا ثاراض مونا ـ ﴿ لِبِنْسَ مَا قَدَّمَتُ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللهُ عَلَيْهِمْ ﴾ (المائدة: ٨) " كتنابرا بوه جوآ كي بهجاا پن ليخودانهول ن كه عُصر كالله الله عَلَيْهِمْ ﴾ (المائدة: ٨) " كتنابرا بوه جوآ كي بهجاا پن ليخودانهول ن كه عُصر كالله الله عنه الله عنه عنه الله عنه

اَسْخَطَ (الْعَالَ) إِسْخَاطًا : كَن كُوغْصِه دلانا عُراض كرنا ـ ﴿ ذَٰلِكَ بِإِنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَآ اَسْخَطَ

الله ﴾ (محمد: ٢٨) '' بياسبب سے كه انہول نے پيروى كى اس كى جوغصه دلاً ئے اللہ كو۔''

تركىيب: "فَلَا غَالِبَ" برلائِ نَفَى جنس ہے۔ "أَنْ يَتُعُلَّ" كامفول محذوف ہے جوكہ "شَيْنًا" ، هوسكّا ہوسكّا ہوسكّا ہے۔ 'تُوُفّی "واحدموَّ نث عائب كا مجهولی صیغہ ہے اور "كُلُّ نَفْسٍ" اس كا نائب الفاعل ہے اس ليے "كُلُّ" مرفوع ہے۔ "مَاُولهُ" "مبتدا اور "جَهَيْم" اس كى خرہے۔

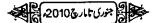
#### <u>ترجمه:</u> ان :اگر

َ اللهُ :اللهُ لَكُمُ :تم لوگوں پر یَخُدُلُکُمُ : وه ساتھ چھوڑ دے تبہارا

یَّنْصُرْکُمُ : مدوکرے تہاری فَلاَ غَالِبَ: توکوئی بھی غلبہ پانے والآئیس ہے وَانُ : اوراگر فَمَنْ ذَا الَّذِی : توکون ہے وہ جو مِّنْ ، بَعْدِہ : اس کے بعد

19

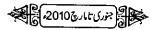




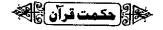
فَلْيَتُوَكُّلِ : حِاسِي كَهُوكُل كري وَعَلَى اللَّهِ : اورالله يرجى وَمَا كَانَ : اور نبيس ب الْمُوْمِنُونَ مُوَمِنُ لُوك أَنْ يَنْعُلُ : كهوه چھيائے (ميجوجمي) لِنَبِيّ : کسي نبي کے لیے يَّغْلُلُ : حِصاكً گا وَ مَن : اورجو کو ئی بعًا :اس كوجو يأت : تووه لائے گا يَوْمَ الْقِيلَةِ : قيامت كون غَلَّ :اس نے چھایا تُوَفَّى : بورابوراد ياجائكاً كُلُّ نَفْسٍ : برَنْسَ كُو وَهُمْ : اوروه كَسَبَتُ :اس نے كمايا أَفَمَن : تُوكيا وه جس نے لاَ يُظْلَمُونَ :ظلم نہ کیے جائیں گے رِضُوَانَ اللهِ :الله كارضاك اتَّبُعَ : پیروی کی سَآءَ : لوثا تَكُمَّنُ :اس كى ما نند ہے جو مِّنَ اللهِ : الله ( كى طرف ) سے ب بسخط :ایکایے غصے کے ساتھ جو جَهُنَم: جَهُم ہے وَ مَأُولُهُ ؛ اوراس كي منزل الْمَصِيرُ : لوشخ كى جُله (وه) وَبِنْسَ : اوركتى برى ہے دَرَ جُكُّ: درجات ہیں هُمْ :ان ك (لي) وَ اللَّهُ : اورالله عند الله: الله كياس بمًا :اسكوجو بَصِيرٍ : د يکھنے والا ہے

نوم : ﴿ وَمَا كَانَ لِيَبِي أَنْ يَعُلَّ ﴾ كِشانِ نزول كَ شمن ميں كچيمفسرين نے أس روايت كا ذكركيا ہے جس ميں جنگ بدركے مال غنيمت ميں سے ایک چادر کے گم ہوجانے كا ذكر ہے لیكن يہاں جنگ أحد كے واقعات پرتبھرہ ہور ہا ہے۔ اس ليے اس بات كوذ ہن قبول نہيں كرتا۔ البتة اس كے شانِ نزول ميں تفهيم القرآن ميں جس روايت كا ذكر ہے وہ زيادہ قرين قياس ہے۔

جنگ ختم ہونے کے بعد نبی ٹالٹیٹامدینہ واپس تشریف لائے تو آپ نے تیرانداز وں کو بلا کران سے حکم عدولی کی وجہ دریافت فرمائی۔ان لوگوں نے جواب میں پچھ عذر پیش کیے جونہایت کمزور تھے۔اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: ((بَلُ طَلَنتُهُمْ أَنَّا لَعُلُّ وَلَا نَقْسِمُ لَکُمْ)) بلکتم لوگوں نے گمان کیا کہ میں چھپاؤں گا اور تقسیم نہیں کروں گاتم لوگوں میں یعنی مالی غنیمت'۔اس پر بیآیت نازل ہوئی۔







يَعْمَلُوْنَ: بدلوگ كرتے ہيں

#### آیات ۱۲۳ ـ ۱۲۵

﴿ لَقَدُ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنُ أَنْفُسِهِمْ يَتُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَهِ

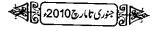
وَيُزَكِيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتْبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلْلٍ مُّبِيْنِ ﴿ وَيُزَكِيهِمْ الْبَهُ مُ الْمُعَلِّمُ مُّ اللّهُ عَلَى هَذَا لَهُ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمُ اللّهَ عَلَى كُلّ مَّي عَنْدِ أَنْفُسِكُمُ اللّهَ عَلَى كُلّ مَنْ عَلَي اللّهُ عَلَى كُلّ مَنْ عَلَيْهِ اللّهُ عَلَى اللّهُ عَلَى كُلّ مَنْ عَلَيْهُ اللّهُ عَلَى كُلّ مَنْ عَلْمُ اللّهُ عَلَى كُلّ مَنْ عَلَيْهِ اللّهُ عَلَى اللّهُ عَلَى اللّهُ عَلَى اللّهُ عَلَى كُلّ مَنْ عِنْ اللّهُ عَلَى عَلَى اللّهُ اللّهُ عَلَى اللّهُ عَلَى اللّهُ عَلَى اللّهُ عَلَى اللّهُ عَلَى اللّهُ اللّهُ اللّهُ عَلَى اللّهُ اللّهُ عَلَى اللّهُ اللّهُ اللّهُ عَلَى اللّهُ اللّهُ

قركىيب: ' يَتْلُوْا ' يُزَيِّحَى ' اور ' يُعَلِّم ' كَاضمير فاعل ' رَمُولًا ' كَ لِيهِ بِين جَبَه ' اليه ' بين ضمير الله ' كالله كالله

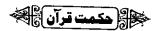
#### ترجمه:

الله الله ن \_\_\_ لَقَدُ مَنَّ :احمان کیاہے اذُ :جب عَلَى الْمُؤْمِنِينَ : مؤمنول بر فِيْهِمُ :ان مِيل بَعَثَ :اس نے بھیجا یں ۔ مِنْ اَنْفُسِهم : ان کے اینوں میں سے رّ مُسودٌ لاً :ايك رسول ايته :اس كي آيات يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ : وه يرُه كرسنا تا سِمان كو وَيُعَلِّمُهُمُ : اوروهٔ تعلیم دیتا ہے ان کو وَيُوْرِيِّهِمْ : اوروه تزكيه كرتا بان كا وَالْبِحِكُمَّةَ : اور حَكمت كي الْكتاب: كتاب كي مِنْ قَبْلُ :اس سے پہلے وَإِنَّ كَانُوا : اور بِي شك وه تق لَفِيْ صَلل مُّيِيْنِ: لاز مَاليك على مرابى مِن أوَلَمَّا: توكياجب م «رَوَّ : كُولَى مصيبت ' مصيبة : كولَى مصيبت ' اَصَابَتُكُمْ : آنِيَجِي تَم كُو مِّ اللهِ فَدْ أَصَبْتُمْ : (حالاتكه )تم لوگ پہنچا چکے ہو أنَّى هلدًا: بيكهال سے ب فُلْتُمُ : (تو)تم لوگوں نے کہا ور. قُل: آپ کهه دیجیے هُوَ :ىي إِنَّ اللَّهُ : يقيناً الله مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ: تمهارے ایے پال

قَدِيرُ : قدرت رکنے والا ہے







عَلَى كُلِّ شَيْءٍ : مرچيز پر

#### آیات۲۷۱۱۷۱

﴿ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِاذُنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُواْءَ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِي سَبِيْلِ اللهِ أَوِ ادْفَعُوا ۚ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِحَالًا لَآتَبَعْنَاكُمْ ۚ هُمْ لِلْكُفُرِ يَوْمَنِذٍ ٱقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُونَ بِٱفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكُتُمُونَ ۞

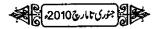
تركيب " فَيادْنِ اللَّهِ" مِن 'هُو" محذوف علين يه فَهُو بِاذْنِ اللهِ" عاور 'هُو" كَامْمِر 'هَا" ك لي ب- "لا اتَّبَعْنكُمْ" من "لا" نافينس بلك يه جواب شرط كالام تاكيد ب- اس كساته الف زائده لكمنا قرآن مجيد كى خصوص الملاب - "هُمْ لِلْكُفُو بَوْمَنِدْ اقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيْمَان" - يه جمله ايك خاص ادبی ترکیب کا ہے۔مولوی عبدالتارصاحب نے اپنی کتاب 'عربی کامعلم' میں یور کیب برد هائی ہے ۔ لیکن ''آسان عربی گرام'' میں ہم نے اس کو چھوڑ دیا ہے' کیونکہ قرآن مجید میں اس کا استعال کم ہے۔ اس لیے یہاں بھی اس کی ترکیب چھوڑ رہے ہیں۔ 'ٹیٹس ''کا اسم' مما'' ہے اور اس کی خبر ''مُوْجُوْدًا''محذوف ہے۔

هُ هُمَآ : اورجو

أَصَابَكُمُ : آ كَيْفِي تم لوكوں كو يُومُ :اس دن (جب) الْتَفَى: آ منے مامنے ہو کیں فَيِإِذُنِ اللَّهِ: تو (وه) الله كي اجازت سے ب الْمُوْمِنِينَ : إيمان لا نے والوں كو الَّذِيْنَ : ان لوكول كوجنهول في وَقِيْلَ : اور كها كيا تَعَالَوْا :ثم لوگ آ وَ فِي سَبِيلِ اللهِ : الله كراه من قَالُوْ ا: انہوں نے کہا قَنَالاً : قال كو لاَّتَّبَعْنَاكُمْ: تَوْہُم ضرور پیروی کرتے تمہاری و و هم : و ه لوگ يَوْمَئِذِ :اس دن

الْجَمْعَانِ : دوجماعتيں وَلِيَعْلَمُ : أورتا كدوه جان لے وَلِيَعْكُمُ : اورتاكه وه جان لے مَافَقُوا : نفاق كيا لَهُمْ :ان سے قَاتِلُوْا : تَمَالَ كُرُو أو ادْفَعُوا : يادفاع كرو لَوْ نَعْلَمُ : الرَّهِم جانة

لِلْكُفُو : كفرك







اَقُرَبُ : زياده قريب تق مِنْهُمْ لِلْإِيْمَانِ : اپْ لِيان كَا بِسَبَ لِيَادَهُ وَ لَوْلَ اللهِ مَان كَا بِسَب يَقُولُونُ نَ : وه لوگ كَتِ بِين مَّا: وهُ جَو فِي قُلُوبِهِمْ : ان كِ دلول مِين وَ اللَّهُ : اور الله اِمَا : اس كوجو يَكُمُونُ نَ : وه لوگ جِميات بِين

نوت '' لُو ' نَعْلُمُ قِعَالاً لاَ تَبَعْنِكُمْ '' بیمنافقین کا قول تھا اور انہوں نے بیذ ومعانی بات کی تھی جس کے کئی معانی ہو سکتے ہیں مثلاً: (۱) الزائی ہوتی نظر نہیں آتی۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ لڑائی ہونے والی ہوتو معانی ہو سکتے ہیں مثلاً: (۱) الزائی ہوتی نظر نہیں آتی۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ لڑائی ہونے والی ہونے مرون مرف صرف ایک ہزار ہے سروسا مان آدمی۔ بیگڑائی تو نہیں ہے محض اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ (۳) مدینہ میں رہ کر جنگ کرنے کا ہمارا مشورہ نہیں مانا گیا۔ اس کا مطلب میہ ہوئے کہ جنگ کے فنون اور تو اعد سے ہم واقف ہوتے تو ضرور ساتھ دیتے۔ (ترجمہ شخ الہند)

#### آیات ۱۲۸ ـ ا ۱۷

#### <u>ں ح ق</u>

لَحِقَ (س) لَحُقًا :كى سے جر جانا الله جانا۔ آيت زير مطالعه

ٱلْحَقَ (افعال) اِلْجَافَا :كى كوكى سے ملادينا۔ ﴿ أَرُونِيَ الَّذِينَ ٱلْحَقَّتُمْ بِهِ ﴾ (سبا:٢٧)''تم لوگ دکھاؤ مجھےان لوگوں کوجن کوتم لوگوں نے ملاياس كے ساتھ ۔''

اَلُمِعِیُّ (تعل امر): توجوڑ دے تو ملا دے۔ ﴿فَاطِرَ السَّمُواتِ وَالْآدُضِ اللَّهَ وَلِيّ فِي اللَّهُ نَيَا وَالْاَحِرَةِ هِ تَوَقَّیْ مُسُلِمًا وَّالْحِقْنِی بِالصَّلِحِیْنَ۞﴾ (یوسف) ''اے پیداکرنے والے آسانوں اور زمین کے تو میرا کارسازے دنیا میں اور آخرت میں 'تو وفات دے مجھکومسلمان ہوتے ہوئے اور تو ملا

23







دے مجھ کوصالحین کے ساتھ۔''

''إِخُوانِهِمْ''كا حال نهيں ہے۔' اَطَاعُوٰا''كَ ضمير فاعلى' إِخُوانِهِمْ''كے ليے ہے۔'لَا تَحْسَبَنَّ ''كا مفعول اوَّلْ 'آلَّذِيْنَ قُتِلُوْا' 'ہےاور' 'آمُواتاً' 'مفعول ثانی ہے۔' آخیاء '' خبر ہے اوراس کا مبتداً ' دهم محذوف ہے۔''آمو کتا'' اور' آخیاء'' جمع ہیں'لین اردومحاورے کی وجہ سے ان کا ترجمہ واحد میں ہوگا۔

"ب "بر يعنى بيدراصل 'بِأَنْ لا" ، م " نَعَوْف "مبتدأ كره ماوراس كى خبر محذوف ،

اللَّذِينَ : وه لوگ جنہوں نے رلاخوانهم :اي بمائول كے ليے قَعَدُوْا : وه (خود ) بیته رہے

اَطَاعُوْنَا :وہلوگ اطاعت کرتے ہماری قُلْ: آب كهدد يجي عَنْ أَنْفُسِكُمُ : اين جانول سے

اِنْ گُنته :اگرتم لوگ ہو وَلاَ تَحْسَبَنَّ : اورتو بركز كمان مت كر قُتِلُوا اللَّهِ عَلَى كِي كُتُ

أَمُوَاتًا :مرده أَحْيَاءُ : (وه) زنده بين

يُوْزَقُونَ :ان لوگوں كورز ق ديا جاتا ہے بمآ:اس يجو اللَّهُ: الله ني

وَيَسْتَهُ شِيرُونَ اوروه لوك خوشى مناتے ہيں باللَّذِيْنَ :ان لوگول كى جو كُمْ يَلْحَقُوا : (الجمي) نبيس جڑے

مِّنُ خَلْفِهِمْ :ان کے بیچے (رہ جانے

والول میں) ہے عَكَيْهِمُ :ال ير

ح و محمت قرآن الله الله

تركيب: ''وَقَعَدُوْا''كا ''وَاوْ''عاليه ب اور بيْ ْفَالَوْا'' كَي ضمير فاعلى ''هُمْ''كا حال ب ''فَوِحِینَ ''حال ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔'' آلا''عطف ہے' بِالَّذِیْنَ ''کے حرف جار

> قَالُوا : كها وَ :اس حال میں کہ لَوْ :اكر مًا قُتِلُوا : تووة قل نه كيه جات فَادُرَءُ وَا : تُوتم لوگ مِثالو

الْمَوْتَ :موت كو طدِقِيْنَ : سيح كنے والے اللَّذِينَ : ان لوُّكُوں كوجو

فِي سَبِيْلِ اللهِ : الله كراه ميس عِنْدُ رَبُّهُمُ :ايخرب كياس

فَرِحِیْنَ:اس مال میں کہ بہت ہی خوش ہیں النَّلْهُمُّ : دياان كو

مِنْ فَضْلِهِ : اينفل س

بھم:ان سے اَلاَّ حَوْفٌ: (اوربیکه) کوئی خوف نہیں ہے وَ لَا هُمْمُ : اورنه بي وه لوگ

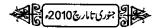
(باتى صغحہ 63 ير)

جر البوري تا ار ي 2010 و الم

# رسول التدنيني كي حكيمانه يحتين

#### مدرس: يرو فيسرمحمد يونس جنجوعه

عَنِ آبِى ذَرِّ ﷺ قَالَ : اَمَرَنِيْ خَلِيْلِيْ عَلَيْكِ عِلَيْكِ بِسَبْعٍ \* اَمَرَنِيْ بِحُبِّ الْمَسَاكِيْنِ وَالدُّنُوِّ مِنْهُمْ وَامَرَنِيْ آنْ ٱنْظُرَ إِلَى مَنْ هُوَ دُونِيْ وَلَا ٱنْظُرَ اللِّي مَنْ هُوَ فَوْقِيْ وَآمَرَنِي آنُ آصِلَ الرَّحِمَ وَإِنْ اَدْبَرَتْ وَامَرَنِيْ اَنْ لَا اَسْأَلَ اَحَدًا شَيْعًا ۚ وَامَرَنِيْ اَنْ اَقُولَ بِالْحَقِّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا ۚ وَاَمَرَنِي اَنْ لَا اَخَافَ فِي اللَّهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ وَاَمَرَنِي اَنْ اُكُثِرَ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ وَإِنَّهُنَّ مِنْ كَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ (رواه احمد) " حضرت ابوذ رغفاری دانتیا ہے مروی ہے انہول نے فر مایا کہ مجھے میرے محبوب دوست (مَنَاشِیْل) نے سات باتوں کا خاص طور سے علم فر مایا ہے۔ مجھے آ پ مانٹی کا نے علم دیا ہے مساکین اور غرباء ہے محبت رکھنے کا اور ان سے قریب رہنے کا۔اور آپ نے حکم فر مایا ہے کدونیا میں ان لوگوں پرنظر رکھوں جو مجھ سے نچلے درجہ کے ہیں اور اُن برنظر نہ کروں جو مجھ سے اُویر کے درجہ کے ہیں ۔ (آ مے حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ) اور مجھ آپ نے حکم دیا ہے کہ میں اینے اہل قرابت کے ساتھ صلەرمی کروں اور قرابتی رشتہ داروں کو جوڑوں اگر چہوہ میرے ساتھ ایسانہ کریں۔اور آپ نے مجھے تھم دیا ہے کہ سی آ دی سے کوئی چیز نہ ماگلوں ۔اور آ پ نے مجھے تھم فرمایا کہ میں ہرموقع پر حق بات کہوں'اگر چہوہ لوگوں کے لیے کڑوی ہو۔اور آپ نے مجھے تھم فرمایا کہ میں اللہ کے راستے میں کس ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں۔ اور آپ نے مجھے تھم فرمایا کہ میں کلمئہ ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلاَّ مِاللَّهِ'' كثرت ہے ہڑھا كروں' كيونكہ بيسب باتيں اُس خزانے ہے ہیں جوعرش کے نتیجے ہے'۔



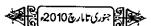


رسول الله تنافیخ اصرف معلم ہی نہ سے بلکہ مربی ہی سے۔ آپ نے اپنے اصحاب کواسلام سکھایا اور پھر
ان کی تربیت کر کے انہیں اچھاانسان بنایا۔ بدرسول الله مخالفے کا کربیت ہی تھی جس نے عرب کے ناشا کستہ
لوگوں کواخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا۔ حدیث زیر درس میں حضرت ابوذ رغفاری ڈاٹٹو کہتے ہیں کہ جھے
میر نے طیل یعنی رسول الله کا فیڈ کیا۔ حدیث انوں کا خاص طور پر حکم دیا۔ پہلی بات جو آپ نے جھے ارشاد
میر نے طیل یعنی رسول الله کا فیڈ کیا نے سات باتوں کا خاص طور پر حکم دیا۔ پہلی بات جو آپ نے جھے ارشاد
فر مائی وہ یہ ہے کہ میں مساکیین اور مفلس لوگوں سے محبت رکھوں۔ عام طور پر مسکین اور غریب لوگوں کو
معاشر سے میں کم درجہ کے افراد سمجھا جا تا ہے دوسر بے لوگ ان کوکوئی اجمیت نہیں دیتے اور ندائن کے ساتھ
معاشر سے میں کم درجہ کے افراد سمجھا جا تا ہے دوسر بے لوگ ان کوکوئی اجمیت نہیں دیتے اور ندائن کے ساتھ
تعلق پیرا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کواللہ تعالیٰ نے رزق کی فراخی نہیں دی اور رزق
کی فراخی کی محف کے اچھا اور معزز ہونے کی علامت نہیں۔ رسول اللہ کا فیڈ اِ اِس تاجا مول داروں سے اجھے
حقیز نہیں ہوتے ۔ اگر وہ احکام الٰہی کی پابندی کرنے والے اور قناعت پسند ہیں تو وہ مال داروں سے اجھے
جین 'کیونکہ دولت مندلوگ مال خرچ کرنے میں عموماً بخل سے کام لیتے ہیں یا مال ناجائز کاموں میں خرج
ہیں 'کیونکہ دولت مندلوگ مال خرچ کرنے میں عموماً بخل سے کام لیتے ہیں یا مال ناجائز کاموں میں خرج
ہیں 'کیونکہ دولت مندلوگ مال خرچ کرنے میں عموماً بخل سے کام لیتے ہیں یا مال ناجائز کاموں میں خرج
ہیں 'کیونکہ دولت مندلوگ مال خرچ کرنے میں عموماً بخل سے کام لیتے ہیں یا مال ناجائز کامول میں خرج
ہیں اور برتری کے خرع میں جتلا ہو کر مسکین لوگوں کے ساتھ فیصات و برخاست اور میل جول رکھنے سے
بات اللہ تعالیٰ کو پند نہیں ۔ خو جاتا ہے اور اسے اللہ کا شکرا واکرنے کی تو فیق ارزاں ہوتی ہے۔

اسان مجب و مبرسے ج جاتا ہے اورا سے اللہ 8 سراوا کرنے کی ویں ارزال ہوی ہے۔

دوسری بات جواللہ کے رسول مُلَّا اللّٰهِ اللّٰهُ الللّٰهُ الللّٰهُ الللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ الللّٰهُ اللّٰهُ الللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّلِلْمُ الللّٰهُ الللّٰهُ الللّٰهُ الللّٰهُ اللّٰهُ الللّٰهُ اللّلِي اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّلِلْمُ الللّٰهُ الللّٰهُ الللّٰهُ اللّٰهُ اللللّٰهُ اللّٰ اللّٰهُ الللّٰهُ اللّٰلِلَّ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰ اللّٰ اللّٰهُ اللّٰهُ

حضرت ابوذر رہائی وہ یہ ہیں تیسری بات جو آپ ٹاکٹیٹر نے مجھے ارشاد فرمانی وہ یہ ہے کہ میں اپنے اہل قرابت کے ساتھ صلدرحی کروں' یعنی قریبی رشتہ داروں کے ساتھ تعلق جوڑ کررکھوں اگر چہوہ مجھ سے ناطہ تو ژیں۔عام طور پررشتہ داروں میںشکررنجیاں پیدا ہوجاتی ہیں جوطول پکڑلیں تو عداوت تک پہنچ جاتی





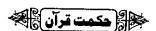


ہیں۔ حالانکہ اپنے عزیز وا قارب کی کمزوریوں اور کوتا ہیوں کونظر انداز کر کے قرابت داری کے تعلق کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ رشتہ داری کا تعلق خدا کا پیدا کروہ ہے اس کو کمزور کرنے کی بجائے مضبوط کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں بار بارصلہ رحی کی تلقین کی گئی ہے اور حدیث میں تو یہاں تک آتا ہے کہ اگر عزیز وا قارب اچھا سلوک نہ بھی کریں تو بھی ان کے ساتھ حن سِسلوک کا معاملہ کرنا چاہیے۔ رسول الله کا اللّی خار ایا ہے کہ قراب کے تعلق تو ڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جو مخص کہ قطع رحی کرنے والا یعنی قریبی رشتہ داروں کے ساتھ تعلق تو ڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جو مخص قراب میں جو غریب ہوں ان کو تقارت کی نظر سے دیکھنے کی بجائے اُن کی مدد کرنی چاہیے۔ ای طرح غریب اور نگ دست رشتہ داروں کو چاہیے کہ وہ اپنے خوشحال بھائی بندوں سے حسد نہ کریں اور نہ اُن کے بیا ور نہ اُن کی مدد کریں اور نہ اُن کے لیے زوالی نعمت کی تمنا کریں ' بلکہ اللہ تعالیٰ سے اپنے دین ود نیا کی بھلا یوں کا سوال کریں۔

حفرت ابوذر دائی کہتے ہیں کہ چوشی بات جو میر نظیل میں گائی نے جھے فر مائی وہ یہ ہے کہ ہیں کی مخص ہے کوئی چیز نہ ماگوں بعین ضرورت کی ہر چیز کا سوال اللہ تعالیٰ ہے کروں ۔ دوسروں سے مائیس تو نہ مغض ہے کوئی چیز نہ ماگوں بعین ضرورت کی ہر چیز کا سوال اللہ تعالیٰ ہے کروں ۔ دوسروں سے مائیس تو نہ اللہ بین کو باو تا راورخو د ادر کھتا ہے ۔ آپ کے اس فر مان سے قناعت ما مادگی اورخو د انحصاری کا سبق ماتا ہے جو انسان کو باو تا راورخو د دارر کھتا ہے ۔ رسول اللہ تائی ہیں سے اگر کسی گھڑ سوار کا چا بکہ بنچ گر جاتا تو وہ اس بات سے گریز کرتا کہ کسی دوسر ہے کو کہے کہ وہ اسے اٹھا کر دے ماجہ بلکہ وہ بہتر بہتا کہ خودگھوڑ ہے ہے اتر کر اپنا چا بک پکڑ ہے ۔ رسول اللہ تائی ہی کا ارشاد ہے کہ اپنی حاجت کے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال کرؤاگر جوتے کا تسم بھی ما نگنا ہوتو اللہ سے ماگو اس سے تو کل اور راضی میں سواری پر جار ہے تھے ۔ آپ نے انہیں تھیوے کرتے ہوئے فر مایا جب تو کسی چیز کو مائینا چا ہے تو بس اللہ بی سواری پر جار ہے ۔ آپ نے انہیں تھیوے کرتے ہوئے فر مایا جب تو کسی چیز کو مائینا چا ہے تو بس اللہ کے دور اور اعانت طلب میں میں میں تو مدد کامینا جا ورطالب ہوتو اللہ بی سے امداد اور اعانت طلب کے را مع تر نہ ی کسی محلوق سے خیر یا بھلائی نہیں بل سے تا اور مدد مائینا نری نادانی اور گرائی ہے۔ اللہ کی مشیت کے بغیرانسان کو کسی طرف سے خیر یا بھلائی نہیں بل سے تی اور ضائی کوئی حاجت پوری ہوئی ہے۔ اللہ کی مشیت کے بغیرانسان کو کسی طرف سے خیر یا بھلائی نہیں بل سے تی اور خدائی کوئی حاجت پوری ہوئی ہے۔

حضرت ابوذر والتين كہتے ہيں پانچويں بات جو مجھے نبى مکرم كالتين ارشاد فرمائى وہ بيہ كہ ميں ہر موقع پرحق بات كہوں اگر چہ وہ لوگوں كو گوں كو تو وہ بات پند آتى ہے جوان كے مزائ اور خواہش كے مطابق ہو۔ تبى بات جب خواہش سے نکرائے گی تو نالبند گئے گئ مگرا كيہ مسلمان بند كو حق گوئى ہى زیب دیتی ہے۔ لوگوں كو خوش كرنے كى خاطر حق كو چھپا نا اور گئى لینی باتیں كرنا گناہ كا كام ہے ماف گوئى مردانِ حق كاشيوہ ہے۔ آپ منالتی ہے فرمایا: ' جابرسلطان كے سامنے كلم حق كہناسب سے بڑا جہاد ہے' ۔ حضرت ابوذر دائين نے رسول الله منالت ہے ہیاں تك ممل كيا كہ آپ نے اُن كے جہاد ہے' ۔ حضرت ابوذر دائين نے رسول الله منالت ہے ہیاں تات پریہاں تک ممل كيا كہ آپ نے اُن كے



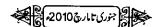


متعلق فربایا: 'آسان کی ایسے محض پرسائی گن نہیں ہوا اور زمین نے کس ایسے محض کو کندھوں پرنہیں اٹھایا جو ابوذر سے زیادہ کچی زبان رکھتا ہو'۔ امیر معاویٹے شام کے گورنر تھے'وہ اپنا محل تقمیر کروار ہے تھے' حضرت ابوذر ٹے دیکھا توامیر معاویٹے سے مخاطب ہوکر کہا: ''اگراس محل کی تقمیر اللہ کے مال سے ہورہی ہے تو خیانت ہے اوراگراس پراینا مال خرج کر رہے ہوتو ہیا سراف ہے''۔

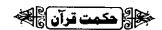
حضرت ابوذر والتنوي كتبت بين رسول الله مُنَالِقَيْم في مجمع جيمنا تهم يدديا كه مين كسى ملامت كرنے والے كى ملامت سے ندوروں \_ بعنى دنيا والے اگر چه مجمع براكہيں ليكن ميں وہى كہوں اوروہى كروں جوالله كا تقم مواور جس سے الله راضى مواور كى كے برا بھلا كہنے كى مطلق بروا نه كروں \_ اى طرز عمل كو ثابت قدمى اور يا مردى كہتے ہيں \_ حضرت ابوذر والتي اس معالم ميں انتہائى دليراور بے باك تھے \_

حضرت ابوذر داللهٔ کہتے ہیں آخری بات جس کا آپ آلیکا نے اس موقع پر مجھے تھم دیاوہ پیھی کہ میں کے نیچے ہےاور یہوہ خزانہ ہے جہاں تک سنگسی کی دسترس نہیں۔ یہاں کی متاع بے بہااللہ تعالیٰ جن بندوں کو چا ہتا ہے عطا کرتا ہے ۔اس کلے کامفہوم ہیہے کہ گناہوں سے بیخے اور نیکی کرنے کی قوت بس اللہ ہی کی تو فیق نے بندے کوملتی ہے۔ یعنی اگر اللہ کافضل اور اس کی تو فیق شاملِ حال نہ ہوتو بندہ نہ تو گناہ سے پچ سکتا ہے اور نہ ہی نیک اعمال کرسکتا ہے۔اگر اس حقیقت پرنظر رہے تو بندہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے دست بدعارے گا اور اُس سے تو فیق اور فضل ما نگٹا رہے گا تا کہ برائی سے زیج سکے اور نیکی کر سکے۔اس کلمے کا مطلب سمجھ کراس کا ورد کرنے والا نیکی کرنے کواپنا کمال نہیں سمجھے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کاشکر گزار ہوگا جس نے أے اچھی تو فیق دی۔ اورای طرح گناہ سے بچے گا تو بھی خالق وما لک کاشکرا داکرے گا کہ اُس نے اُسے گناہ سے بیالیا۔عقیدہ اورعمل کی اصلاح کے لیے اس کلے کا ورد اسمیر کی حیثیت رکھتا ہے۔حضرت ابو ہریرہ دلائٹو کہتے ہیں کہ رسول اللّٰہ مُلاَثِیْرُ نے مجھے فر مایا: کیا میں تم کو وہ کلمہ بناؤں جوعرش کے نیچے سے اتر ا ہاورخزان جنت میں سے ہے۔ وہ کلمہ لا حَوْلَ وَلا فُوَّةً إِلاَّ بِاللَّهِ بِ (جب بنده دل سے بيكلمه براهتا ہے) تو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ یہ بندہ (اپن انانیت سے دستبردار ہوکر) میراتا بع فرمان ہوگیا ہے۔ بعض اہل علم وتقتو کی کا کہنا ہے کہ قلب ونفس کی جلّی اور خفی کدورتوں کو دور کرنے میں اس کلے کی خاص تا چیرہے۔ چنانچہاصلاح نفس کے لیے ہرفخص کو جا ہے کہ وہ اس کے مطلب کا فہم حاصل کر کے خلومیِ نیت کے ساتھ اس کلے کوور دِزیان رکھے۔

#### \*\*







# شاه ولی الله د ہلوی عن کی شاہ ولی الله د ہلوی عن کا مختلفہ کی مختلفہ کی مختلفہ کی مختلفہ کی اللہ کا میں اس کی معنویت اور موجودہ وَ ور میں اس کی معنویت

ڈ اکٹر ظفر الاسلام اصلاحی 🜣

ہندوستانی علماء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مُرکتیا (۲۲۱۲۵۱۳) ایک متاز عالم ومصنف اور عظیم مفکر وصلح کی حیثیت سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ عظیم مفکر وصلح کی حیثیت سے کافی مشہور ہیں' کیکن ان کی آخر الذکر حیثیت سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اس کے متعدد وجوہ ہیں:

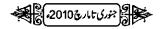
ا درس وند ریس اورتصنیف و تالیف کی مصروفیات کے ساتھ انہوں نے اصلاحِ معاشرہ پر بھر پور توجہ دی' جبکہ عام طور پر مذکورہ مصروفیات سے تعلق رکھنے والے حضرات یا تو گوشنشیں رہتے ہیں یاعوا می سطح پر اتر کرساج کی نبف پر ہاتھ رکھنا اور عام لوگوں کے مسائل سے باخبر ہوکر ان کے حل کے لیے کوشش کر نا گوارانہیں کرتے ۔

ہ اپنی اصلاحی تحریک شروع کرنے سے پہلے شاہ صاحب نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کی ندہبی ُ سابق' معاشی وسیاسی زندگی کا بغور جائز ہ لیا اورعلاء وصوفیاءُ اہل حکومت وعوام سب کے احوال وکوا کف کا گہرا مطالعہ کیا اوران کی انفرادی واجتماعی زندگی کے امراض کی نشاندہی کی۔

شاہ ولی اللہ نے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی انفرادی ولمی زندگی کولاحق ہونے والے امراض کی تشخیص کی بلکہ ان کا علاج بھی ججویز کیا۔ انہوں نے محض مسائل کا انبار نہیں لگایا بلکہ ان کے حل کے لیے مؤثر و مفید تد ابیر بھی سمجھا کیں 'جبکہ دوسرے مسلمین نے عام طور پریا تو صرف امراض کی نشاندہی کی ہے یا محض اصلاحی تجاویز و تد ابیر پیش کرنے پراکتفا کیا ہے۔

کا شاہ ولی اللہ نے مسلم معاشرہ کے کسی خاص طبقہ کو اپنی توجہ کا مرکز نہیں بنایا بلکہ مختلف طبقہ کے لوگوں نے (بادشاہ وامراء علماء وصوفیاء سپاہی وافسران اہل حرفت وصنعت اورعوام) کی اصلاح کے لیے کوشش

🖈 معاون مریششهای علوم القرآن شیلی باغ مل گرُه (اندیا)





کی اورا پنی تحریروں میں ان میں سے ہر طبقہ کے حالات کے اعتبار سے ان سے الگ الگ انداز میں خطاب کیا اورانہیں قرآن وسنت کی روثنی میں اصلاح حال کی دعوت دی۔

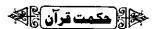
﴿ ساجی زندگی کی اصلاح کے لیے اپنے خیالات کو پیش کرتے ہوئے یا مسلمانوں کو اصلاح احوال کی طرف متوجہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ ؓ نے سب سے زیاوہ قر آن وسنت کی اتباع پر زور دیا۔ مختلف طبقات کے مسلمانوں سے خطاب میں یہی ان کا مشترک پیغام تھا اور اس کی قبولیت اور اس پر عمل آ وری کو انہوں نے ان کے مرض کے ازالہ کے لیے سب سے کارگر ومفید نسخہ بتایا۔ مزید برآں اپنی تصنیفی و تالیفی مصروفیات کے ذریعہ وہ اس نسخہ کی تشریح و توضیح فرماتے رہے اور اس کی اہمیت و تا شیر دلوں میں نقش کرتے رہے۔

شاہ و کی اللہ نے جن حالات میں اپنی اصلاحی تحریک شروع کی اور لوگوں کورجوع الی القرآن والسقہ کی دعوت دی ان کا نقشہ خود شاہ صاحب نے اپنی تحریروں میں تھینچا ہے' اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلما نوں کا کوئی ایبا طبقہ نہیں تھا جس کی زندگی فساد یا بگاڑ کا شکار نہ ہو۔ عام طور پر قرآن وحدیث سے بہتو جبی پائی جائی تھی 'عجانس آرائی یا پڑھے لکھے لوگوں کی حلقہ بندی کارواج تھالیکن ان حلقوں میں بس قصے کہانی کی کتابیں' صوفیاء کے ملفوظات' مشہور فاری شعراء کے اشعار اور حکماء وفلا سفہ کے اقوال کا چرچا ہوتا تھا۔ شاہ صاحب نے فاری ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں ان مرقحہ کتابوں میں سے کچھ کا نام ظاہر کرتے ہوئے اپنے زبانہ کی صورت حال کی بہترین عکائی فرمائی ہے' خودان کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"چنان که یاران سعادت مند مثنوی مولانا جلال الدین گلستان شیخ سعدی و منطق الطیر شیخ فرید الدین عطار و قصص فارابی و نفحات مولانا عبدالرحمٰن و امثال آن نقل مجلس دارند چه باشد اگر این ترجمه را بهمان اسلوب درمیان آرند و حصه از شغل خاطر بادراك آن گمارند. گر آن شغل با کلام اولیاء است این بر شغل کلام الله و اگر آن مواعظ حکیمان است این مواعظ احکو الحاکمین است" (۱)

ان باتوں سے شاہ صاحب کامقصوداس طرف متوجہ کرنا تھا کہ قرآن کی نبیت سے جلسیں یا اسے بیحضے سمجھانے کے حلقے تقریباً مفقو دیتے اور پھرید وہ تا ہے گئے کہ اصل ضرورت تو قرآن کے ندا کرہ اور اسے سمجھانے کے حلقے تقریباً مفقو دیتے اور پھرید وہ تا ہے کہ اس سے بڑھ کرنسی کتی اور بات ہوہی نہیں سکتی اور اس سے زیادہ کسی اور کتاب میں حکمت و دانائی کی بات مل ہی نہیں سکتی مسلم معاشرہ کی جس صورتِ حال میں شاہ ولی اللہ شنے اپنی دعوتِ قرآن شروع کی اس میں انہوں نے ضروری سمجھا کہ سرچشمہ ہوایت ہونے کی حیثیت سے قرآن کریم کے مقام و مرتبہ کو واضح کیا جائے اوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت وقد روقیت جاگزیں کی جائے اور اس نسخ کیمیا سے فیض یا بی کی ضرورت واہمیت دل ود ماغ میں نقش کی جائے ۔ یہی وجہ ہے کہ





انہوں نے اپنی کتب ورسائل میں فتلف طور پر قرآن مجید کے مقام و مرتبہ کی وضاحت کا خاص اہتمام فر مایا ہے۔ کہیں انہوں نے علم قرآن کو اعظم العلوم اجلوم اجلوم وا بحل العلوم سے تعبیر کیا (۲) تو بھی انہوں نے یہ خیال ظاہر فر مایا کہ اللہ تعالی نے انہیں جن نعمتوں سے سرفراز فر مایا ہے ان میں سب سے بردی نعمت فہم قرآن ہے اور یہ کہ اس کمترین اُمت پر نبی کریم کاللہ تیا کے بہت احسانات ہیں اُن میں سب سے عظیم احسان قرآن کی تبلیغ (یعنی اس کے پیغام کی تربیل) ہے اور وہ اس طور پر کہ آپ کاللیخ اُن کی تلقین قرآن کی تلقین قرآن کی تلقین میں اس کی روایت و درایت سے حصد ملا (۳) ۔ اتباع رسول اور حدیث کی اہمیت واضح کرتے ہوئے شاہ صاحب نے اسے 'عمدہ العلوم الیقینیة ''اور' مبنی العلوم میں کی روایت سے تعبیر کیا (اُن)۔ اللہ بنیدة "قرارویا اور رسول اکرم کالی کی سنت کو بہترین سنت سے تعبیر کیا (۱۰)۔

اہم بات یہ کہ شاہ ولی اللہ ؓ نے نہ صرف یہ کہ قرآن وسنت کے مقام و مرتبہ کو واضح فر مایا بلکہ اپنے زمانہ کے حالات کے پیش نظر لوگوں کو بار باریہ دعوت بھی دی کہ وہ انہیں پڑھیں 'سیجھنے کی کوشش کریں اور ان سے رہنمائی حاصل کریں۔ شاہ صاحب نے خود بھی بچپن ہی سے اس کی جانب توجہ دی وہ اپنے والمد گرامی شاہ عبد الرحیم ہے قرآن کا معنی ومفہوم سیجھنے کی کوشش کرتے ۔ ان کا ذوق فہم قرآن اس دور کی یادگار ہا وہ اور اس میں ان کے والمد کی تعلیم و تربیت کا خاص دخل رہائے جیسا کہ خود انہوں نے اس کی صراحت کی ہے وہ تح ریفر ماتے ہیں:

"الله تعالى كے عظيم احسانات ميں سے مجھ پرايك احسان يہ ہے كه چندس تبدوالد بزرگوارسے مدرسه ميں قرآن عظيم كے معانی شانِ نزول اور كتبٍ تفيرى طرف رجوع كرتے ہوئے كلامٍ قدى ميں تدبر عاصل كرنے كا موقع ملا جوميرے ليے ايك عظيم فتح تھى اور اس پر خدائے قدوس كا لا كھ لا كھ شكر ہے "۔ (°)

انہوں نے اپنے مقررہ نصابِ تعلیم میں اس بات کو خاص اہمیت دی کہ عربی زبان سے واقفیت کے بعد قر آن وحدیث کی تعلیم پرخصوصی توجہ دی جائے اور قر آن شریف کی تعلیم کے سلسلہ میں اس مکت پر خاص زور دیا کہ اوّ لین مرحلہ میں بغیر تفسیر کی کسی کتاب کی مدد کے شروع سے آخر تک پورے قر آن کا ترجمہ کیا جائے اور مختصر تشریح کی جائے اور پھر دوسرے مرحلہ میں تفسیر کی کوئی کتاب سامنے رکھ کر قر آئی آیات کا معنی ومفہوم واضح کیا جائے ۔ (۱) ان سب سے اہم ریکہ شاہ صاحب نے اپنے مشہور وصیت نامہ میں پہلی ہی وصیت میں پہلی ہی وصیت میں پر تنقین کی کہ قر آن وحدیث پر مفہوطی سے قائم رہا جائے 'روزانہ ان کا پھے حصہ پڑھا جائے' ان میں غور وفکر کیا جائے اور ان کا مفہوم بھنے کی کوشش کی جائے ۔ اگر پڑھنے کی اہلیت نہ ہوتو دونوں میں سے کم از کم ایک ورق کا ترجمہ سنا جائے ۔ (۷)

آ سان طریقہ پر ہر گھر میں قرآن کے پیغام کو یاد کرنے اور پھیلانے کا بیملی طریقہ تھا جس کی ترویج کے لیے شاہ صاحب نے بھر پورکوشش کی۔ درحقیقت وہ بیرچاہتے تھے کہ کوئی مسلم گھراس کتابِ ہدایت کے ذکر

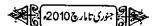




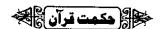
ہے خالی نہ رہے۔اس لیے کہ معاشرہ کی بگڑی ہوئی صورت حال کا یہی تقاضا تھا اور وہ اس یقین تک پہنچ گئے تھے کہ اس منبع رشد و ہدایت ہے مسلمانوں کا فکری عملی تعلق استوار ہوئے بغیر کوئی تھی سلجھنے والی نہیں ہے۔ واقعہ پیرکہ موجودہ مسلم معاشرہ پرنظر ڈالی جائے اورمسلمانوں کے حالات کا بغورمطالعہ کیا جائے تو آج بھی شاہ ولی اللّٰد کی تحریک رجوع الی القرآن والسنّہ کی معنویت وافادیت پوری طرح واضح ہو جاً ئے گی ۔ قریق کریم سے بے تو جہی وغفلت کے معاملہ میں اس وفت مسلم معاشرہ کی صورت حال تقریباً وہی ہے جو اٹھار ہویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں تھی۔ جدید دور میں قصہ گوئی ' کتاب خوانی اور شعر و شاعری کی مخلیں تو کم ہے کم ہوتی جارہی ہیں'لیکن دوسری قتم کی مصروفیات ودلچیپیوں کی کی نہیں۔ ٹی وی' کمپیوٹر' انٹرنیٹ وسائبر کیفے اور تفریح کےمختلف ذرائع میں ضرورت سے زیادہ انہاک ورکیس نے پورے معاشرہ کواپنے گھیرے میں لے لیا ہے جس سے نو جوان طبقہ سب سے زیادہ متاثر ہے' اور پھر تعلیم کے میدان میں مقابلہ کی پروان چڑھتی ہوئی فضااور معاشیات کی راہ میں انتقک بھاگ دوڑ کی وجہ سے موجودہ دور کا انسان مصروف ہے مصروف تر نظر آتا ہے' مسلمان بھی اس سے مشتثیٰ نہیں ہیں۔ان حالات میں نہ ہی کتابوں خاص طور ہے قر آن وحدیث کے پڑھنے پڑھانے اور سیجھنے سمجھانے میں دلچیسی کا کم ہوجانا یا اس کے لیے وقت نہ نکالنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔شاہ ولی اللہ کے دور میں عام پڑھے لکھے لوگوں کی جو مصروفیات تھیں آج ان کی نوعیت تو بدل چکی ہے لیکن سرچشمۂ رشد و ہدایت سے سیرانی کی طلب میں کمی یا اس نسخه کیمیا ہے استفادہ کے شوق کی پژمردگی کا ماحول آج بھی عام طور پر چھایا ہوا ہے اور بیصورت حال کم دہیش ہر طبقہ کے لوگوں میں پائی جاتی ہے جبیہا کہ شاہ صاحب کے زمانہ میں تھی۔اس لیے قرآن وسنت کی طرف لوگوں کو بلانے ان سے تعلق مضبوط کرنے کی دعوت دینے اوران سے استفادہ کی راہیں ہموار کرنے کی ضرورت وا فا دیت نہ صرف بڑھ گئی ہے بلکہ بیودت کا تقاضا ہو گیا ہے اور ہرفر د بالخضوص اصحابِ علم کے لیے بیمسئلدسب سے زیادہ توجہ کا طالب بن گیاہے۔ شاہ ولی اللّٰہؓ نے اپنے عہد میں قر آن وسنت ہے لوگوں کا تعلق مضبوط کرنے ٔ ان کی فہم کوفروغ دینے اور

شاہ ولی اللہ ﷺ نے اپنے عہد میں قرآن وسنت ہے لوگوں کا تعلق مضبوط کرنے ان کی مہم کوفروغ دیے اور براہے راست ان سے استفادہ کی سہولیات بہم پہنچانے کے لیے کیا تد ابیر سمجھا کمیں اور کون سے اقد امات کیے ان کی کچھ وضاحت یہاں ضروری معلوم ہوتی ہے تا کہ ان کی تحریک رجوع الی القرآن والنہ کے اہم پہلو سامنے آ جا کمیں اور اس کا طریق کارواضح ہوجائے۔ مزید برآں اس سے بیا ندازہ کرنے میں بھی آسانی ہوگی کہ موجودہ دور میں ان خطوط پر کام کرنے کے کیا مواقع ہیں اوروہ کس حد تک مفید ہو سکتے ہیں۔

شاہ ولی اللّٰہ ہے اپنے زمانہ کے حالات کی روثنی میں اس بات پرخاص توجہ دی کہ لوگوں کوقر آن و سنت سے قریب لانے اوران سے حصولِ رہنمائی کی ترغیب وتشویق کے لیے ضروری ہے کہ مرقبجہ زبان میں قرآن اور حدیث کی کسی کتاب کا ترجمہ کیا جائے۔ درحقیقت ای مقصد سے انہوں نے قرآن کریم اور





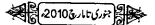


مؤطاامام ما لک کے فاری میں ترجمہ ومختصرتشریح کی نیک خدمت انجام دی۔ ترجمہ کا بیرکام محض علمی کام و تالیفی مشغلہ نہیں تھا' بلکہ بیاس تحریک کا بنیا دی وضروری عضرتھا جوانہوں نے اصلاحِ معاشرہ کے لیے چلائی تھی ۔ بعنی اس کے ذریعہ لوگوں کو قرآن و حدیث ہے استفادہ کی آسانی نہم پہنچانا اور ہدایت کے ان خزانوں سے فیض یالی کی راہیں ہموار کرنا۔فاری ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں انہوں نے جس انداز سے مسلمانوں کے ساجی حالات اور روز مرہ مشاغل کی عکاسی کی ہے اور پھراس کے حوالہ سے فارسی ترجمئہ قرآن کی ضرورت واہمیت واضح کی ہے'اس سے بھی یہی نکتہ اُمجر کرسامنے آتا ہے۔ مزید برآ ل ترجمہ کی زبان کےسلسلہ میں اس صراحت ہے بھی پیربات اور تحقق ہوجاتی ہے کہ اس میں وہ فاری زبان استعال کی گئی ہے جوان کے عہد میں عام طور پر بولی اور مجھی جاتی تھی۔ تیسرے تر جمہ کے ساتھ مخضر تشریح اور پیچیدہ مسائل سے احتراز ہے بھی بیظا ہر ہوتا ہے کہ ترجمہ کا اصلی مقصد کیا تھا۔ اس طرح موطا امام مالک کی عربی شرح (مٹوی) کی تالیف کے علاوہ فاری میں اس مشہور مجموعۂ حدیث کے ترجمہ وتشریح (مصفّی) سے میہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شاہ صاحب بیرچاہتے تھے کہ عام پڑھے لکھے سلمان قرآن کے ساتھ براہِ راست حدیث ہے بھی استفادہ کریں اور روز مرہ زندگی میں ان کی ہدایات کوا پنا کمیں اور ہرمعاملہ میں ان سے سبق حاصل کریں ۔اصلاحِ معاشرہ کےمشن میں شاہ ولی اللّٰہؓ نے ترجمہ وتشریح کے کاموں کواہمیت اس وجہ سے دی کہ وہ پیر حقیقت اچھی طرح سجھتے تھے کہ لوگوں کے افکار واعمال کو سیچے رخ پرموڑنے اور ان کی معاشر تی خرابیوں کے ازالہ کے لیے اس ہے بہتر اور کوئی ذریعیہ نہیں ہوسکیا کہ مسلمان قر آن وسنت سے اپناتعلق مضبوط کریں اور انہیں مشعل راہ بنا کمیں۔ شاہ صاحب کے فاری ترجمۂ قرآن کے پس منظر پر تبھرہ کرتے ہوئے مولا ناسیدا ہوائحن علی ندویؓ نے بجافر مایا ہے:

''الغرض شاہ صاحب نے سفر تجاز ہے والہی کے پانچ سال بعدیہ فیصلہ کیا کہ ہدایتِ عالم' اصلاحِ عقائد اور اللہ تعالیٰ سے طاقتور رابطہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کی ہدایات کی براہ راست اشاعت و تبلیغ سے زیادہ مؤثر نہیں ہوسکتا' اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے قرآن مجید کا فاری ترجہ واشاعت'' (^)

شاہ ولی اللہ نے اٹھار ہویں صدی عیسوی میں اُمتِ مسلمہ کو قرآن وسنت سے قربت پیدا کرنے اور ان کے پیغا م کو پیخنے کی جودعوت دی اس کی معنویت واہمیت اس وقت اور واضح ہوجاتی ہے جب مسلمانوں کے دینے وساجی اور معاشی وسیاسی حالات کو پیش نظر رکھا جائے۔معاصر وغیر معاصر تاریخی کتب کے مطالعہ سے جومنظر نامہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے:

ہرطبقہ کےلوگ معاشر تی پستی واخلاتی زوال میں مبتلا تھے۔اصحابِ ٹروت عام طور پرعیش پہندی' تن آسانی وفضول خرچی کے عادی تھے۔شاہی گھرانوں میں روزاندانواع واقسام کے کھانے اس قدر ضرورت سے زائد کیکتے تھے کہ بددیانت باورچی فاضل کھانوں کو بازار میں انتہائی کم قیت پر پچ دیتے





تھے۔ یہاں تک کہ بہت سے گھروں میں کھانا بکتا ہی نہیں تھااور یہی بچا ہوا کھانا سستے داموں پرخرید لیتے تھے۔شادی کے موقع پر چالیس بچاس لا کھروپے خرج ہوجانا معمولی بات تھی' گرچہ بیصورت حال بادشاہ و امراء طبقہ میں یائی جاتی تھی کیکن عام لوگ بھی اس سے متأثر ہورہے تھے۔

ضعف عقیدہ 'فرائض سے بے تو جھی' غیر ضروری رسوم و رواج میں انہاک اور مزارات 'عرس و میلوں میں بڑھتی ہوئی دلچیں ان کی نہ ہی زندگی کے خدو خال ہتے۔ پیدائش' شادی وموت کے مواقع سے تعلق رکھنے والی بہت ہی ہندوانہ رسوم وروایات مسلم معاشرہ کا جزوین گئتھیں۔ دربار میں بعض غیر اسلامی تبوار بڑے دھوم دھام سے منائے جاتے تھے۔ تو ہمات میں یقین' تعویذ وگنڈوں کا کثرت سے استعال' فال نکا لنے وشکون لینے کی عادت میں امیر وغریب' پڑھے لکھے وائن پڑھ بھی مبتلا تھے' یہاں تک کہ ہر بڑی آبادی میں تعویذ نوییوں' فال نکا لنے والوں اور کا ہنوں کا پیشہ ورطبقہ سرگر معمل ہوگیا تھا۔

آ مدنی وخرچ میں عدم توازن کا رویہ اہل حکومت میں عام تھا۔ شان و شوکت کی نمائش عیش وعشرت کی محائش عیش وعشرت کی محافل کا انعقاد شادی وخوش کے مواقع پر اسراف رشوت ستانی و بدعنوانی کے برے اثر ات ہر طرف چھائے ہوئے تھے۔ معافی اداروں (زراعت متجارت صنعت وحرفت) کی ترقی میں توازن کے اصول کی خلاف ورزی ہور بی تھی۔ دیجی علاقوں میں عام کسان و کا شت کار جا گیرداروں زمینداروں اور بردے برے کسانوں یا چودھری و کھیا کے استحصال وغیر منصفانہ رویہ کا شکار تھے بدعنوانی اور حکومت کے افسران کی غلت شعاری کی وجہ سے خراج یا محصول اراضی کی آ مدنی دن بددن کم ہوتی جارہی تھی۔

عیش وعشرت اور حرم سرامیں وقت گزار نا بادشاہوں کا (سوائے چند کے) محبوب مشغلہ تھا۔ بادشاہ امراء اور حکومت کے اہم افسران اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہ ولا پرواہ تھے۔ امراء کی باہمی چپقلش اور سیاسی اثر ورسوخ میں اضافہ کے لیے ایک دوسرے کے خلاف مقابلہ آرائی اور تخت وتاج کی جلد جلد تبدیلی نے سیاسی عدم استحکام وانتشار کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ بادشاہ کی نااہلی اور مرکز میں حکومت کی کمزوری کی وجہ سے امراء و جا گیردار اپنی مالی و سیاسی پوزیشن مضبوط کرنے میں مصروف تھے صوبائی افسران پر گرفت ڈھیلی پڑ گئ تھی۔ ان حالات میں لازی طور پر باغیانہ عناصر کو بڑھا واملا اور مغل حکومت کے داخلی و خارجی مخالفین کی سرگرمیوں میں اضافہ ہو گیا۔

علماءِ وقت بھی اپنے فرائض سے غافل ہو گئے تھے۔قر آن وصدیث میں انہاک اور ان سے بھر پور استفادہ کے بجائے فقہ فلسفہ وتصوف کی کتابوں سے زیادہ اشتغال رکھتے تھے۔مسائل کے حل میں قر آن و صدیث سے براہِ راست رجوع کرنے کے بجائے وہ قدیم فقتمی کتب پرانحصار کرتے تھے۔فقتمی موشگا فیوں میں وہ اپنی صلاحیتیں زیادہ صَرف کرتے تھے اور تقلید کی ذَر کرنے ہٹنے کو تیار نہ تھے۔ جم تہدانہ ذوق کا فقد ان زمانہ کا مزاج بن گیا تھا۔ ان علماء میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو دنیوی فائدہ کی خاطریا بادشاہ وامراء کوخوش





كرنے كے ليے احكام شريعت كى غلط تعبير پيش كرنے ميں بھى نہيں بچكيا تاتھا۔

اس زمانه میں صوفیاء کے متعددگروہ خود بھی فکر وعمل کے اعتبار سے گمراہ تھے اور دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ بن رہے تھے۔قرآن وسنت کے خلاف بہت سے اعمال ان کی زندگی میں رائج تھے ان میں نشہ آور چیزوں کے استعال ساتر لباس سے احتراز از دواجی زندگی سے پر ہیز کرنے والے بھی تھے۔صوفیہ کے ایک طبقہ نے پیشہ وارانہ صورت اختیار کر کی تھی اور تصوف اوراس کے اشغال کو کسبِ مال کا ذریعہ بنالیا تھا۔ عوام میں اُن صوفیاء کے اثرات بڑھتے جا رہے تھے جو نذہ بی فرائض و واجبات کی تلقین کے بجائے انہیں اوراد ووظا کف اور مخصوص صوفیا نہ اعمال کا عادی بنارہے تھے۔ (۱)

یہ تھے ہند کی ملتِ اسلامیہ کے نہ ہی وساجی' معاشی وسیاسی احوال وکوا کف جن میں ولی اللہی تحریک نے جنم لیا'اور جس انداز میں انہوں نے مسلمانوں کے الگ الگ طبقہ سے خطاب کر کے انہیں اصلاح احوال کی دعوت دی اُس سے بیرحقیقت بخو کی ثابت ہوتی ہے کہ معاصر مسلم معاشرہ پران کی نظر بہت گہری تھی ۔انہوں نے ہر ہر پہلو سے اس کی نبض ٹولی' اس کی بیار یوں و کمز وریوں کا پتالگایا اوران کے اسباب پر غور وخوض کر کے علاج کی تد ابیر پیش کیں۔اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہان کے مجوزہ علاج کا بنیا دی عضر رجوع الی القرآن والسنه تھا۔ شاہ ولی اللّٰہ نے اپنے نتائج فکراپی مختلف کتابوں میں پیش کیے ہیں جن میں قرآن وحدیث کے تراجم کے علاوہ حجة الله البالغة النفه يمات الالهيد، وصيت نامه اور مكتوبات کے مجموعے شامل ہیں۔ بیج مید کمختلف موضوعات پرشاہ صاحب کی کثیر تصانیف بطور علمی یا دگار ملتی ہیں اور ان میں مختلف النوع مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ان میں سے بیشتر میں قرآن وحدیث کی ترجمانی کواوّلیت دی گئی ہے اور اس فکر کی تشریح وتر جمانی پر زور دیا گیا ہے کہ قرآن وسنت سے حصولِ رہنمائی اور ان کی ہدایات پر کار بندر ہے میں ہی مسلمانوں کے مسائل کاحل پوشیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہان کی کتابوں میں قر آن وحدیث کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔ بہت سے مباحث کے شمن میں ان کے حوالے واضح طور پر نہیں ملتے 'لیکن اگران کا بغورمطالعہ وتجزیہ کیا جائے تو یہی نتیجہ اخذ ہوگا کہ وہ قر آن وحدیث سے مستفاد ہیں۔انہوں نے علاء کے نام اپنے پیغام میں بھی اس پر خاص زور دیا ہے کہ وہ دوسری کتابوں کے بجائے قر آن وحدیث کوادّ لیت دیں اوراپنے افکاروخیالات کا اصل ماخذ ومنبع انہی کتابوں کو بنا کمیں اورانہی کی بدایات وتعلیمات بالخصوص قرآنی فکر کی تشریح و ترجمانی کواپی تحریروں کا خاص مقصد قرار دیں ۔اس لیے کہ اصلاً دین کے مبلغ وہی (علماء) ہوتے ہیں ادرتحریکِ اصلاح کی مشنری کو چلانے والے بھی دہی ہوتے میں مختصریه که شاه صاحب نے خود بھی اپنے خطبات اورتحریروں میں اس قیمتی نکته کومملی طور پر برتا اور اصحاب علم واال ِ قلم کو بھی اس کی دعوت دی \_معروف یا کستانی اسکالر ڈ اکٹر محمہ الغزالی نے شاہ ولی اللّٰہ ؒ کے فکری ماخذ يرروشني ڈالتے ہوئے صحیح تبھرہ فرمایا ہے:



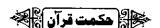
"The Quran remains throughout the ultimate source of his thought" (\\')

اسی بات کووہ مزید واضح انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ انسانی معاشرہ کے مسائل پر قرآنی منہاج سے نظر ڈالتے ہیں اوراس کی روشی میں ان کاحل بھی پیش کرتے ہیں۔مزید پر آں قوموں کے عروج وزوال پران کے مباحث اورانسانی تمدن کے ارتقاء کے بارے میں ان کے خیالاً ت کی بنیادیں بھی قرآن میں مل جا کیں گی۔ (۱۰)

شاہ و کی اللہ کی اصلاحی تحریک کا دائر ہ بہت وسیح تھا۔ جسیا کہ پہلے واضح کیا جاچکا' انہوں نے معاشرہ کے ہر طبقہ کو اپنی دعوت رجوع الی القرآن والنہ کا مخاطب بنایا اور ہرایک کوقرآن وسنت سے قربت پیدا کرنے اور ان پر کاربندر ہے کی تلقین کی۔ اس کی بخو بی وضاحت ان تحریروں سے ملتی ہے جن میں انہوں نے علاء' صوفیاء' اہل حکومت اورعوام سب سے الگ اللہ خطاب کر کے انہیں اصلاحِ احوال کی دعوت دی ہے۔ انہوں نے جس حکیمانہ انداز میں اُمت کی دھتی رگ پرانگی رکھی ہے اور ایک ماہر بناض کی حیثیت سے مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی کے امراض کی تشخیص کی ہے' اس سے نہ صرف مسلمانوں کی اصلاح کے شین ان کی دردمندی وفکر مندی کا جوت ملتا ہے بلکہ اپنی اصلاحی تحریک شروع کرنے سے قبل انہوں نے مسلمانوں کی حالات کا جس گہرائی سے مطالعہ دیجر بیکیا اور جس خوش اسلوبی سے انہوں نے اس تحریک وائی حکمت عملی کے طور پر افقیار کیا' وہ بھی اس سے بخو بی واضح ہوتا ہے۔ معاشرہ کے مختلف قسم کے اس تحریک کے خطابات کے بچھ جھے یہاں نقل کیے جارہ ہیں تاکہ ان کے قبتی پہلومزید واضح طور پر سامنے آجا میں۔ طالبین علم و مالمین علم دین (طلبہ وعلاء) سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اے برعقلوا جنہوں نے اپنا نام علماء رکھ جھوڑا ہے تم یونا نیوں کے علوم میں ڈو بے ہوئے ہواور صرف و نوو و معانی میں غرق ہواور سجھتے ہو کہ یہی علم ہے۔ یا در کھوعلم یا تو قرآن کی کسی آ بت محکم کا نام ہے یا سنت خابتہ قائمہ کا ۔ چاہیے کہ قرآن سیھو 'پہلے اس کے غریب لغات حل کر و مجلس ہزول کا پتا چلاؤ اوراس کے مشکلات کو حل کرو۔ اس طرح جو حدیث رسول اللہ کا بیٹا گئی کی حجے خابت ہو چکل کے ہے اس محفوظ کر لو ۔ اس چاہے کہ حضوظ کرو۔ اس طرح جو حدیث رسول اللہ کا بیٹی کی سنت پڑ مل کرو 'گراس میں اس کا خیال رہے کہ جو سنت ہے است ہی سجھونہ کہ اسے فرض کا درجہ عطا کرو۔ اس طرح چاہیے کہ جوتم پرفر اکفن ہیں انہیں سیکھو مثلاً وضو کے ارکان کیا ہیں 'نرکو ق طرح چاہیے کہ جوتم پرفر اکفن ہیں انہیں سیکھو مثلاً وضو کے ارکان کیا ہیں 'نرکو ق کا نصاب کیا ہے قد رواجب کیا ہے 'میت کے حصوں کی مقدار کیا ہے ۔ ۔ ۔ جہن علوم کی حیثیت و در نہ کہ ان کو حصوف کی حیثیت آ لہ اور ذریعہ ہی کی رہنے در نہ کہ ان کی کو مستقل علم بنا بیٹھو علم کا پڑھنا تو اس لیے واجب ہے کہ اس کو سیکھ کرمسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دو'لیکن تم نے دینی شعائر اور اس کے احکام کو تو پھیلا یا نہیں اور لوگوں کو زاکد از شعائر کو رواج دو'لیکن تم نے دینی شعائر اور اس کے احکام کو تو پھیلا یا نہیں اور لوگوں کو زاکد از محمل میں مقورہ دے رہے ہو'۔ ۔ (۲۰)





مزید برآں شاہ ولی اللہ علاء کو بار باراس کی دعوت بھی دیتے رہے کہ نقبی مسائل کے حل میں سب
ہے پہلے وہ لازی طور پر قرآن و صدیث سے رجوع کریں'اس لیے کہ یہی بنیادی واق لین مآخذ ہیں۔
انہوں نے اپنے مشہور وصیت نامہ کی پہلی ہی وصیت میں اس بات کی خاص تاکید کی کہ فروعی مسائل کا
قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے' جوان کے موافق ہوں انہیں قبول کیا جائے اور جوخلاف ہول
انہیں ترک کر دیا جائے۔ بہت ہی واضح لفظوں میں انہوں نے بید تقیقت گوش گزار کی کہ اُمت کو قیا تی
مسائل میں کی صورت میں کتاب وسنت سے استغناء نہیں ہے۔ (۱۲)

علاء یا حاملین علم سے خطاب یا انہیں تھیجت کرنے میں شاہ ولی اللہ نے خاص طور سے تین با توں کی طرف انہیں متوجہ کیا ہے اور وہ یہ کہ تمام علوم میں علم قرآن و حدیث کے سیمنے سکھانے پرسب سے زیادہ توجہ وی جائے 'وین کی با تیں معلوم کرنے اور احکام شریعت کاعلم حاصل کرنے کے لیے ان سے براہِ راست استفادہ کیا جائے۔ مزید یہ کہ اکتسابِ علم کا سب سے برا مقصد لوگوں میں دین کی اشاعت اور دینی شعائر کی تر ویج ہے' علمی صلاحیتوں کو انہی کا موں کے لیے استعمال کیا جائے نہ کہ لوگوں کو غیر ضروری باتوں میں منہمک کرنے کے لیے۔

مشائخ (پیرزادوں) سے خطاب کرتے ہوئے اور عام مسلمانوں کو گمراہ کن صوفیوں سے متنب کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں:



اس خطاب میں واضح طور پران گمراہ کن پیرزادوں پرنگیری گئی ہے جواللہ اوراس کے رسول مُکَالَّیْکُیْمُ کے طریقہ کی طریقہ کی طرف لوگوں کو بیشواؤں کی بیا پنی باتوں کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ دراصل راومتنقیم تو وہ ہے جسے بلا رہے ہیں۔ دراصل راومتنقیم تو وہ ہے جسے قرآن نے دکھایا اور نبی کریم مُکَالِّیُکُمُ نے جس پر چل کر مزید واضح کر دیا ہے۔ اس خطاب میں شاہ صاحب کی بیشی ہوئی اور پھی بڑی اہم ہے کہ ہرگز ہرگز ایسے لوگوں کی پیروی نہ کی جائے جو کتاب وسنت کے بجائے کسی اور مربطب و طریقہ پر چلنے کی وعوت دیتے ہیں۔ اس طرح وہ متقصف واعظوں اور گوشنشیں زاہدوں (جو ہر رطب و یا بس پر یقین رکھتے تھے اور جعلی و گھڑی ہوئی حدیثوں کے حوالہ سے وعظ سنا کرلوگوں کو تکی میں مبتلا کرتے ہیں:

'' کیاتم اتنابھی نہیں جھتے کہ سب سے بڑی رحمت اور سب سے بڑا کرم اللہ کا وہ ہے جے رسول اللہ تَا لَيْتُمْ اللّهُ نے پہنچایا ہے' وہی صرف ہدایت ہے جو آپ ٹالٹیٹن کی (لائی ہوئی) ہدایت ہے' چرکیاتم بتاسکتے ہو کہ تم جن افعال کوکرتے ہووہ رسول اللہ تا لِلْتِیْلِ اور آپ کے صحابہ کرام جو لیے کی کرتے تھے؟''(۱۰)

بادشا ہوں یا حکمرانوں کوان کی ذمہداریاں یادولاتے ہوئے لکھتے ہیں:

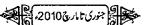
'دہ تہبیں چاہیے کہ ہر تین دن یا چار دن کے سفر کی منزلوں پر اپنا ایک حاکم مقرر کر و جوعدل وانصاف کا مجسمہ ہو تو کی ہو'جو ظالم سے مظلوم کا حق وصول کرسکتا ہوا ور خدا کی حدود کو قائم کرسکتا ہوا ور اس میں سرگرم ہو کہ پھرلوگوں میں بغاوت وسرکشی کے جذبات نہ پیدا ہوں' نہ وہ جنگ پر آ مادہ ہوں اور نہ دین سے مرتد ہونے کی کسی میں جرات باتی رہے' نہ کسی گنا و کبیرہ کے ارتکاب کی کسی کو مجال ہواسلام کا کھلے بندوں اعلان ہوا ور اس کے شعائر کا علانیہ اظہار کیا جائے۔ ہر مخص اپنے متعلقہ فراکش کو میچ طور پر اوا کر سے ۔ چاہیے کہ ہر شہر کا حاکم اپنے پاس اتن قوت رکھے جس کے ذرایعہ اپنی متعلقہ متعلقہ آبادی کی اصلاح کرسکتا ہو۔

اے بادشاہو! جبتم یہ کرلو گے تواس کے بعد ملاً اعلیٰ کی رضا مندی یہ جاہے گی کہتم لوگوں کی منزلی وعاکل زندگی کی طرف توجہ کرو ان کے باہمی معاملات کوسلجھاؤ اور ایبا کردو کہ پھر کوئی معاملہ ایبانہ ہونے پائے جوشری قوانمین کے مطابق نہ ہو۔ای کے بعد لوگ امن وامان کی صحیح مسرت سے فائز المرام ہو سکتے ہیں''۔(۱۲)

اس خطاب سے بیصاف واضح ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ ؓ نے حکمرانوں کوان کے فرائض یا دولائے' خاص طور سے انہیں اس جانب متوجہ کیا کہ وہ امورِ حکومت کو شنجید گی و ذمہ داری سے انجام دیں' عدل و انصاف کے قیام اور مظلوموں کی دادری کو بقینی بنا کیں۔ ایسانہ ہو کہ کمز وروں کوطاقتورلوگوں کے رحم وکرم پر حجوز دیا جائے۔ ذمہ دار انصاف پسنداور صاحبِ قوت امراء واضران متعین کریں اور اس بات کا اہتمام کریں کہ لوگوں میں شرعی قوانین کی ترویج و تنفیذ ہواور امن وامان قائم رہے۔ شاہ ولی اللہ ؓ کے خطاب کے







سے نکات اس زمانہ کے حالات کے اعتبار سے کافی اہمیت و معنویت رکھتے ہیں جب کہ بادشاہ اور حکومت کے افسران اپنی ذمددار یوں سے عافل ہوگئے تھے مختلف علاقوں ہیں باغی وشورش پیندعناصر کی سرگرمیاں برخھ کی تھے مختلف علاقوں ہیں باغی وشورش پیندعناصر کی سرگرمیاں برخھ کی تھے تھے۔ دوسر ان نکات پراگرغور کیا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ یہی وہ فرائض ہیں جو تر آن میں حکمرانوں یا اہلِ افتد ار کے سلسلہ میں بیان کیے ہیں۔ مختلف آیات میں بعثتِ انبیاء کے بنیادی مقاصد اور اہل حکومت کی ذمہ دار یوں میں عدل و انسان کا قیام احکام شریعت کا نفاذ اور دین شعائر کی تروی کا ذکر آیا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿ لَقَدُ اَرْسَالُنَا رُسُلُنَا وِالْبِیَاتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبُ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُومُ النّاسُ بالْفِسْطِع ﴾ (الحدید: ۲۰)

'' ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نثانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب ومیزان کو نازل کیا تا کہلوگ انصاف پر قائم رہیں' ۔

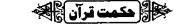
﴿ اَلَّذِينَ إِنْ مَّكَّنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلُوةَ وَاتَوُّا الزَّكُوةَ وَاَمَرُّوْا بِالْمَعُرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكُرِ ۗ ﴾ (الحج: ٤١)

'' پیر (مؤمنین) وہ لوگ ہیں کہ آگر ہم انہیں زمین میں اقتد ار بخشیں تو یہ نماز قائم کریں' ز کو ۃ ادا کریں' نیکی کا تھم دیں اور برائی ہے روکیں''۔

عام مسلمانوں سے شاہ ولی اللہ کا جو خطاب ہے اور اس کے ذریعیہ انہوں نے جو پیغام دیا ہے 'وہ اینے اندر بڑی جامعیت داہمیت رکھتا ہے۔وہ انہیں متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف اب خاطب ہوں اور کہتا ہوں: اے آ دم کے بچو! دیکھو
تہمارے اخلاق سو چکے ہیں' تم پر بچا حرص و آ زکا ہوکا سوار ہو گیا ہے' تم پر شیطان نے قابو پالیا ہے'
عور تیں مردوں کے سرچڑھ گئی ہیں اور مردعورتوں کے حقوق ہر باو کرر ہے ہیں' حرام کوتم نے اپنے
کے خوشگوار بنالیا ہے اور حلال تمہارے لیے بدمزہ ہو چکا ہے۔ پھرتتم ہے اللّٰہ کُ اللّٰہ نے ہرگز کسی کو
اس کے بس سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔ چا ہیے کہ تم اپنی شہوانی خوا ہمتوں کو نکاح کے ذریعہ پورا
کروخواہ تہمیں ایک سے زیادہ نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور اپنے مصارف وضع قطع میں تکلف سے
کام نہ لیا کرو۔ اس قد رخرج کروجس کی تم میں سکت ہو۔ یا در کھوا کیک کا بوجھ دوسر انہیں اٹھا تا اور

اے آدم کے بچوا جے خدانے آیک جائے سکونت دے رکھی ہے جس میں وہ آرام کرے اتنا پانی جس سے دہ سیراب ہوا تنا کھانا جس سے بسر ہوجائے اتنا کپڑا جس سے تن ڈھک جائے الی ہوی جواس کی شرم گاہ کی حفاظت کر سکتی ہوا در اس کور بن بہن کی جدوجہد میں مدددے سکتی ہوئو یا در کھو کہ دنیا کا ل طور سے اس مخفی کوئی چکی ہے۔ جا ہے کہ (وہ) اس پر خدا کا شکر کرے۔ بہر حال کوئی نہ کوئی کمائی کی راہ



ضرورا فقیار کرے اورای کے ساتھ قناعت کواپنادستورِ زندگی بنائے اوراپنے رہنے ہیں اعتدال کا جادہ افقیار کرئے دہنے ہیں اعتدال کا جادہ افقیار کرئے اوراللہ کی یاد کے لیے جوفرصت ہم دست ہوائے فیمت شار کرئے دران اللہ کی مرحم مربعہ میں معتب مزید برآں اس زمانہ کے مسلمان بہت می فیر اسلامی رسوم دروایات میں مبتلا تھے۔ ان میں پسے خاص طور پر عاشوراء اور شبِ براءت کے موقع پر جو بچھ فیراسلامی روایات اختیار کی جاتی تھیں ان پر متنب کے موقع بر جو بچھ فیراسلامی روایات اختیار کی جاتی تھیں ان پر متنب کرنے کے بعد دہ لکھتے ہیں:

''ای طرح اور بھی بری بری سمیں تم میں جاری ہیں جس نے تم پرتمہاری زندگی تنگ کر دی ہے' مثلاً تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلف بر تنا شروع کر دیا ہے۔ ای طرح ایک بری رسم یہ بھی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن طلاق کو گویا تم نے ناجا ئز تھبرالیا ہے۔ یونہی بیوہ عورتوں کو فکا ح سے رو کے رہتے ہو۔ ان رسموں میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو وقت برباد کرتے ہواور جوصحت بحث روش تھی اسے چھوڑ بیٹھے ہو'۔ (۸۰)

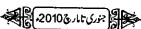
پھرآ خرمیں شاہ صاحب نے نماز'روز ہ اور زکو ۃ کے باب میں جو خفلت ولا پروائی پائی جاتی تھی اس پرنکیرظا ہرکرتے ہوئے ان فرائض کی پابندی کی مخلصا نہ نصیحت کی ہے۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے سلم معاشرہ میں غیراسلای رسوم دروایات اور بدعات وخرافات کا دور دورہ تھا۔ نہ ببی فرائض و واجبات سے غفلت 'آ مد و خرج میں عدم توازن 'پرتکلف دعوتوں کا اہتمام' طلل و حرام کی تمیز کے بغیر مال و دولت جمع کرنے کی ہوں 'اُس وقت کے بگڑے ہوئے معاشرہ کی عکاس تھیں۔ اس صورت حال میں شاہ صاحب نے عام لوگوں کو فرائض کی بجا آ ور می میں پابندی کرنے بدعات و خرافات اور غیر ضروری رسوم کو تیا گ دیے' اعتدال کی راہ اپنانے' دوسروں کا بوجھ بننے کے بجائے محنت کرکے کمانے اور سادہ زندگی گزارنے کی جانب جس مؤثر انداز میں متوجہ کیا اس کی اجمیت و افا دیت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ دوسرے اس تذکیر ولکھین میں قرآ ن وحدیث کی روش تعلیمات کا جو بَرتو نظر آتا ہے وہ بھی نگا ہوں سے اوجھل نہیں ہوسکتا۔

شاہ ولی اللہ دہلوئ کے ان خطابات ونصائے سے پہنجو بی واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے کس گہرائی سے اپنے زیانے کے حالات کا جائزہ لیا اور مختلف طبقہ کے لوگوں کے احوال کا کس باریک بنی سے مشاہدہ کر کے ان خرابیوں و کمزوریوں کی نشاندہی کی جوان کی زندگی کے مختلف شعبوں میں سرایت کر گئی تھیں اور پھران کے ازالہ کے لیے اپنا مجوزہ نسخہ پیش کیا اور وہ تھا: قرآن وسنت سے تعلق مضبوط کرنا' ان کی ہدایات و تعلیمات کو سجھنے کی کوشش کرنا اور زندگی کے ہر محاملہ میں ان پر پوری سنجیدگی سے کا ربندر ہنا۔ یہی وہ پیغام ہے جس کی تربیل واشاعت کوشاہ صاحب نے اپنی علمی مصروفیات کا سب سے اہم مقصد بنایا۔

آخر میں بیہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ بعض جدید اسکالرز کی رائے میں شاہ صاحب نے اُمت کے زوال پامسلم معاشرہ کی خرابیوں و کمز دریوں کی تین خاص وجوہ بیان کیں: (1) ضعف عقیدہ





(۲) اخلاقی زوال ٔ اور (۳) باہمی اختلاف وافتراق ۔ پہلے اور تیسرے اسباب کے دفع کے لیے انہوں نے قرآن وحدیث ہےاستفادہ اوران کی ہدایات برعمل کرنے پرزور دیا'کیکن اخلاقی زوال دور کرنے کے لیے انہوں نے تصوف کانٹ پیش کیا'اس لیے کہ یہ براہ راست قلب سے اپیل کرتا ہے اور قلب کی صفائی پانفس کے تزکیہ کے بغیرا خلاقی خرابیوں کا از الیمکن نہیں۔اس اپر وچ سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک سلم حقیقت ہے اور شاہ صاحب نے اپنی تحریروں میں بار باراس کی وضاحت بھی فرمائی ہے کہ قرآن ے بڑھ کردل ود ماغ کوا بیل کرنے والی اور کوئی کتاب نہیں۔ بیتو ''شِفاءٌ لِّمَا فِي الصَّدُورِ '' ہے دل کی مرائیوں میں از کرانسان سے باتیں کرتی ہے۔انسان اوراس کی نفیات کے خالق کی بیکتاب انسان کی ا یک ایک اندرونی بیاری کی ند صرف نشاندہی کرتی ہے بلکداس کے خاتمہ کی تدبیر بھی بتاتی ہے۔وہ انسان کی اخلاقی خرابیوں کی جڑوں تک پہنچ کرانہیں کا شخے اوران خرابیوں کے استیصال کا طریقہ سکھاتی ہے۔خوو نبی کریم مَا اَنْ اِنْ اَلْ اَلْ اِنْ اللَّهُ عَلَى اللَّهُ عَلَى اللَّهُ عَلَى اللَّهُ اللَّاللَّهُ اللَّهُ اللّ حضرت عائشہ فی ای سیان ہے بھی اس کی شہادت ملتی ہے: ' مکان محلقه الْقُور آنُ '' \_ پھرائی کتاب کی تعلیمات کے ذریعیہ آپ کا لیے کم نے صحابہ کرام تفاقیم کی تعلیم پر قلب فرمائی اوران کے تزکیز نفس کا فریضہ انجام ویا۔اس لیے بیکہناصیح نہ ہوگا کہاخلاقی خرابیوں کے از الدکے لیے شاہ صاحب نے تصوف کا سہارالیا۔ مخضریه که شاه ولی الله میناید نے اٹھار جویں صدی عیسوی کے نصف اول میں مسلم معاشرہ کی اصلاح کے لیے جوتر یک بریا کی اس کے فکری مآخذ قرآن وسنت تھے۔انبی دونوں منالع ہدایت سے انہوں نے اس کی آبیاری کی اور فدہی ساجی معاثی اور سیاسی زندگی کی خرابیوں و کمزوریوں کودور کرنے کے لیے انہوں نے قر آن وسنت کی روشنی میں اپنے افکار پیش کیے ۔انہوں نے بہت ہی واضح لفظوں میں عوام علماء' صوفیاء واہل حکومت کو یہ پیغام دیا کہ قرآن وحدیث ہے اخذ کردہ فکری غذا ہی ان کی کمزوریوں کو دور کرے گی اوران کی زندگیوں میں سدھار لائے گی۔اس لیےان سے قربت حاصل کرنا اور ہرمعاملہ میں ان سے رجوع کرنا ضروری ہے۔شاہ صاحب کی علمی مصروفیات بالخصوص ان کی تصنیفی و تالیفی سرگرمیوں ہے اہل علم کے لیے یہ قیمتی سبق بھی ملتا ہے کہ وہ اپنی ذہنی استعداد اور علمی صلاحیتوں کوقر آن کا پیغام عام کرنے اور رسول اکرم مُنافِیْزُ کی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے زیادہ سے زیادہ استعمال کریں' ان کے فہم کی را ہیں آ سان بنانے کے لیے بھر پورکوشش کریں اور آ سان پیرایہ میں ان کی ہدایات وتعلیمات کی تشریح و تر جمانی کوا پنامشن بنا کمیں۔ بچ ہے کہ قر آن وسنت ہے جتنی قربت لوگوں کی بڑھے گی' اتنی ہی ان کی زندگی سے غیراسلامی رسوم ور وایات کا خاتمہ ہوگا۔جس ذوق وشوق ہے وہ روز مرہ زندگی کے معاملات میں ان ۔ سے ہدایت حاصل کریں مے اس قدر تیزی سے ان میں سدھار آئے گا اور بگڑا ہوا معاشرہ صحت مند ہو

جائے گا'اورجس بنجیدگی ہے وہ ان کے مطالبات پورے کریں گےاسی قدرجلد وہ معاشرت ومعیشت اور

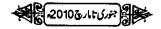
سیاست وحکومت ہر باب میں ایک انقلا بی تبدیلی محسوں کریں گے ایسی تبدیلی جوخوشگوار ہوگی اور امن وامان کی ضامن بھی ہوگی۔اللہ تعالی ہمیں اس حقیقت کو سیجھنے اور قر آن وسنت سے تعلق مضبوط کرنے کی تو فیق عنایت فرمائے۔

### اللهم تقبّل منّا انّك انت السّميع العليم!

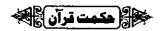
## حواشي

- - (٢) التفهيمات الالهيه المجمع العلمي ذابهيل ٢٦ ١ ع ٢ ١ ٦٢/٢ ١
  - (٣) الفوز الكبير في اصول التفسير مطبعة ندوة العلماء لكهنؤ ١٩٨٤ ع ص ٢٠-
- (٤) حسحة الله البالغة 'كتب خاندرشيديه ُ والمئ ٣٧٣١ هـ ارم 'مصفىٰ (فارى شرح مؤطاامام مالک) كتب خاند رجميه ٔ دبلی ١٣٣٢ هـٔ ص٦٦
  - (٥) انفاس العارفين اردوتر جمه: محمد الفاروق القادري كمتبد الفلاح ويوبند بدون تاريخ وصم ٥٠٠ ٥٠٠ م٥٠٠
- (٦) المقالة الوضيئة في النصيحة والوصية مشموله: محموعه وصايا اربعه (مرتبه ومترجمه: محمد اليوب تادري) شاه ولي الله اكبيري حيرر آباد إلى كتان ) ١٩٦٣ و ٥٠ -
  - (٧) حواليه ذكوره مالا مسهم\_
  - (A) تاریخ دعوت وعزیمت مجلس تحقیقات ونشریات که عنو ۲۰۰۲ و ۵٫۵/۵۱ ـ
- (۹) اٹھار ہویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کے ذہبی ساجی واخلاقی حالات پر تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: محمد عزا ٹھار ہویں صدی میں ہندوستانی معاشرت کمتبہ جامعہ دہلی ۳۴ اماباب سوم و چہارم -
- (1.) The Socio-Political Thought of Shah Waliullah, Adam Publishers, New Delhi, 2004,p,6
  - (١١) حواله بالأص ٣٦\_
- (۱۲) شاه ولى الله وبلوئ التفهيمات الالهيه مجلس على وابھيل ١٣٥٥ه ر١٩٣١ء ص٢١٠-١١٥-اردوتر جمد:سيد مناظر احسن كيلاني \_ آغوش موج كا ايك درتابنده الفرقان شاه ولى الله نمبر (طبع دوم) الفرقان بك ديوبر بل ١٩٣١ء ص١٩٨١ - ١٥٥ ا
  - (١٣) المقالة الوضيئة في النصيحة والوصية عس ١٨٣٧ اردوتر جمهُ ص ٢٠٠
  - (١٤) التفهيمات الالهية ٢١١٠-١٢١ ألفرقان محوله بالا ص١٤٨-١٤٩١
    - (١٥) التفهيمات الالهية ١٩٥١ \_ الفرقان محوله بالا ص٥٠٠ \_
    - (١٦) التفهيمات الالهية ، ١٥/١ ٢١٧ ألفرقان محوله بالا ص ١٤٦ ا
  - (١٧) التفهيمات الالهية ٢١٨/١ ٢١٩ ٢١٠ الفرقان محوله بالا ص١٥١-١٥٢.
    - (۱۸) حواله مذكوره بالا









# المل السنّت والجماعة كون؟ (\*)

## حا فظ نذير احمد ہاشمی

# امام ابوحنیفهٔ پرارجاء کاالزام اوراس کی حقیقت

امام صاحب پرمرجی ہونے کا الزام علماء کی ایک جماعت نے لگایا ہے۔ بقول ان کے امام صاحب عمل کی ضرورت کے قائل نہیں تھے'لیکن ہی الزام سراسر غلط ہے۔ اس الزام کا جواب دینے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تکفیرا الل ذنوب کے بارے میں ان کا مسلک معلوم کیا جائے'لیکن اس سے پہلے مرجمۂ کے عقائد پرایک سرسرمی نظر ڈالنا ضروری ہے تا کہ اس الزام کی حقیقت واضح ہوسکے۔

مرجئہ نامی فرقہ اس دور کی پیداوار ہے جب مسلمانوں میں مرتکب کبائر کے مؤمن و غیرمؤمن ہونے کا مسلم چھڑا۔ خوارج اسے کا فرقر اردیتے تھے معزلہ اسے مؤمن کے بجائے مسلم کہتے تھے حس بھری اور تابعین کا ایک گروہ اسے منافق کہا کرتا تھا 'جبہ جمہور مسلمین اسے گنا ہگار مؤمن بیجھتے تھے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپر دکر کے کہتے تھے کہ وہ چا ہے تو معاف کردے۔ انہی اختلا فات کے دور ان ایک فر قر (مرجئہ ) نے بہا بگ وہال بیاعلان کرنا شروع کردیا کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ سے کوئی ضرر نہیں پہنچنا 'جس طرح کفر کی موجودگی میں طاعات وعبادات بے اثر بین اسی طرح ایمان کی موجودگی میں اعمال سینے بے اثر بین ۔ بعد از ان ان کے جائشین پیدا ہوئے جو مرتکب کبائر کے بارے میں اعمال سینے بے اثر بین ای طرح ایمان کی موجودگی میں معصیت ضرر رسان نہیں 'ایمان اور قصد بی اور اعتقاد ومعرفت کا نام ایمان ہے 'ایمان کی موجودگی میں معصیت ضرر رسان نہیں 'ایمان اور قصل ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ بعض اس سے بھی آ گے بڑھر کر کہنے گئے ''ایمان کا تعلق دل سے ہوتا ہے' زبان سے کفر کا اعلان کر نے بتوں کی پستش' بہودیت و نصر اختیا دوسلیب کی بوجا کرنے سے بھی ایمان جو کہ تا میں دہتے ہوئے سینٹ کا عقیدہ رکھتا ہواور اسی ایمان جوں کا توں رہتا ہے ۔ اگر کوئی مخض دار الاسلام میں رہتے ہوئے سیلیٹ کا عقیدہ رکھتا ہواور اسی حالت میں مرجائے تو وہ مخض خدا کے ہاں مؤمن کا مل خدا کا محب اور تطعی جنتی ہوگا'۔ (۱۲۱)

اس بیان سے معلوم ہوا کہ مرجمۂ کی نگاہ میں عمل کی کوئی اہمیت نہیں۔ جہاں تک ایمان وعمل کے باہمی ربط کا تعلق ہے تو ان کی رائے میں عمل ایک بے کارچیز ہے جس کا دخولِ جنت وجہنم سے کوئی علاقہ نہیں۔وہ اعمال کواکیسلبی چیز تصور کرتے تھے ایمان ان کے نزدیک صرف قلبی اذعان وابقان کا نام ہے اگر چہ اعضاء و جوارح اس کے خلاف ہوں حقیقت یہ ہے کہ اس ندہب کی وجہ سے حقائقِ ایمان اور نیکی و پاکبازی کا کوئی احترام باقی نہیں رہتا۔ای وجہ سے اخلاق باختہ اور مفسدلوگ اس ندہب کواپنانے لگے اور اسے اپی شہوت رانی اور معصیت کاری کا ذرایع قرار دے لیا۔

مرجئہ کے عقائداوراعمال کے بارے میں ان کا موقف واضح ہوجانے کے بعداب ہم عمل کی اہمیت کے بارے میں امام موصوف کا عقیدہ واضح کریں گے تا کہ قارئین خوداس الزام کے بارے میں کوئی فیصلہ کرسکیں امام موصوف کا پینظریہ کہ گنا ہگار کا فرنہیں کیونکہ اس میں اصل ایمان موجود ہے اس قاعدہ پر بننی ہے کہ ان کے نزدیک ایمان تقدیق کا تام ہے جس میں کی وبیشی کا امکان نہیں ۔ان کا قول ہے کہ عدم اعمال کے باوجودہ مؤمن ہے۔ چنا نجے ارشا وخداوندی ہے:

﴿ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحًا وَّا خَرَ سَيِّنَا عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۖ ﴾ (التوبة: ١٠٢) علامه ابن عبدالبرنے امام موصوف كانظربير (دوبارة اعمال) واضح كرتے ہوئے تكھاہے:

''ابومقاتل کا قول ہے کہ میں نے ابوضیفہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ہماری رائے میں لوگ تین مرتبہ کے ہوتے ہیں: (۱) انبیاء اور ان کے وہ معتقدین جن کو وہ جنتی بچھتے ہوں 'یدلوگ اہل جنت میں سے ہیں (۲) مشرک 'جو قطعی جنمی ہیں (۳) عام مؤمن جن کے جنتی یا دوز خی ہونے کا حتی فیصلہ صادر خبیں کیا جاسکتا' ان کے بارے میں ہم تو قف کرتے ہیں۔ بارگا وایز دی سے ان کی مغفرت کی اُمید بھی ہے اور جنتا کے عذاب کرنے کا خوف بھی ۔ ان کے بارے میں ہم وہی کہتے ہیں جو اللہ عز وجل کے میں موبی کہتے ہیں جو اللہ عز وجل نے فرمایا: ﴿ خَلَطُواْ عَمَلاً صَالِحًا وَّا خَو سَیْنَا ﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَتُونُ بَ عَلَیْهِم ﴾ یعنی اُن میں نے فرمایا: ﴿ خَلَطُواْ عَمَلاً صَالِحًا وَّا خَو سَیْنَا ﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَتُونُ بَ عَلَیْهِم ﴿ ﴾ یعنی اُن میں دیل رجاء تو یہ آ یہ قرآ نی ہے: ﴿ إِنَّ اللّٰهُ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُشُولُ یَا ہُو وَیَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ دُلُ لِلّٰهِ اللّٰهُ اِنْ یَعْفِر ُ اَنْ یَسُولُ یَا ہُو وَیَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ وَلِی رَبِی اِن کی تو بہ تو کو اجب قرار کے گئاہ ہیں البتہ اللہ تعالی نے انبیاء کرام اور ان لوگوں کے سواجن کے طاق میں البتہ اللہ تعالی نے انبیاء کرام اور ان نہیں دیا عیا ہو وہ قائم وصائم ہی کیوں نہوں نے دی ہے کہ کی کے لیے جنت کو واجب قرار نہیں دیا عیا ہو وہ قائم وصائم ہی کیوں نہ ہوں' (۲۲۱)

امام موصوف كامندرجه بالابيان الفقد الاكبرك بيان كه بالكل مطابق ب ينان جالفل مطابق ب عنان الفقد الاكبريس ب: لا نكفر مسلمًا بذنب من الذنوب وان كانت كبيرةً اذا لم يستحلُّها ولا نزيل عنه اسم الايمان ونسمية مؤمنًا حقيقةً ويجوز ان يكون مؤمنًا فاسقًا غير كافر (١٢٢) 
د بم كمى مسلمان كى كى گناه كسب تفير نبيل كرتے جاب وه گناه كبيره بى كيوں نه بول اور نداس العظا ايمان سلب كرتے بيل بشرطيكه وه اس گناه كوطال نه جمتا مؤاس كوم مؤمن هي قراردية بيل اور جائز كي در وه كو الارد ية بيل اور جائز كده مؤمن فاس به كافرنيس "





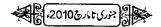
امام صاحب کا مندرجہ بالا بیان ہر طرح قرینِ قیاس وعقل ہے قرآنی وعدود عیداس کی مؤیداور علماء و فقہاء اسے بنظرِ استحسان و کیھتے ہیں' امام مالک جھی ان کے ہمنوا ہیں۔ چنا نچے عمر بن حماد بن ابی صنیفہ کا بیان ہے:

'' میں ایک مرتبہ امام مالک سے ملا' ان کے یہاں قیام کیا' ان کے علمی خیالات سے۔ جب واپس آنا چاہا تو ہیں نے کہا المل عداوت اور حسد پیشہ لوگوں نے غالبًا امام ابوضیفہ کے وہ عقائد آپ کے سامنے بیان کیے ہوں گے جن سے ان کا دامن پاک تھا' میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ان کے اصلی افکار وخیالات کیا تھے۔ اگر آپ کو پہند آئیں تو بہتر ورند آپ کے پاس جوا تھی چیز ہوگی میں بخوشی اخذ کرلوں گا۔ امام مالک نے فرمایا تا ایج بیس نے کہا: ابو صنیفہ گناہ کی وجہ سے کسی مؤمن کی تنظیر نہ کہا: ابو صنیفہ گناہ کی وجہ سے کسی مؤمن کی تنظیر نہ کرتے تھے۔ امام مالک نے فرمایا ''بہت خوب۔'' میں نے کہا ابو صنیفہ اس سے بھی بڑی بات کہتے تھے اور وہ یہ کہ فواحش کا ارتکاب کرنے سے بھی میں اسے کا فرنہیں سجھتا۔ امام مالک نے سابقہ الفاظ در ایک سے بیس کے کہا تہ ہیں ان کے افکار واقوال 'اگر کوئی کے کہ دہرائے۔ میں نے کہا آپ اس سے بڑھ کر کہتے تھے کہ میں عمرائی کرنے والے کوبھی کا فرخیال نہیں کرتا۔ امام مالک نے فرمایا بہت خوب۔ میں نے کہا یہ ہیں ان کے افکار واقوال 'اگر کوئی کے کہ نہیں کرتا۔ امام مالک نے فرمایا بہت خوب۔ میں نے کہا یہ ہیں ان کے افکار واقوال 'اگر کوئی کے کہ ان کے خیالات اس سے مختلف شے تو با ورنہ سے بچے'' (۱۲٪)

یہ جہبور متاخرین مسلمانوں کاعقیدہ صرف خوارج اور معتر لداس کے خلاف ہیں کیکن بایں ہمہ اس قول کی بنا پرعلاء کی ایک جماعت نے امام صاحبؒ کو ہدن ملامت بناتے ہوئے آپ پر مرجئی ہونے کا الزام لگایا 'جبکہ الفقہ الا کبر میں امام صاحب نے خوداس الزام سے براءت ظاہر کرتے ہوئے اپنے ندہب اور مرجئہ کے قول میں فرق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

لا نقول ان المؤمنين لا تضره الذنوب ولا نقول انه لا يدخل النار ولا نقول انه يخلد فيها وان كان فاسقًا ' بعد ان يخرج من الدنيا مؤمنًا ' ولا نقول ان حسناتنا مقبولة وسيئاتنا مغفورة كقول المرجئة ولكن نقول المسئلة مبينة مفصلة من عمل حسنة بجميع شرائطها خاليةً عن العيوب المفسدة ' والمعانى المبطلة ' ولم يبطلها بالكفر ' والدِّدَّةِ ' حتى خرج من الدنيا مؤمنًا فان الله تعالى لا يضيعها بل يقبلها منه ويثيبه عليها ' وما كان من السيئات دون الشرك والكفر ولم يتب عنها صاحبها حتى مات مؤمنًا فانه في مشية الله تعالى ان شاء عذبه بالنار وان شاء عفا عنه ولم يعذبه بالنار ابدًا (١٢٥)

''ہم یہ بیس کہتے کہ گناہ مؤسنین کے لیے ضرر رسال نہیں اور یہ بھی نہیں کہتے کہ وہ جہنم میں نہیں جا کمیں گئے۔ ہم اس کے ابدی جہنی ہونے کے بھی قائل نہیں' وہ فائن و فاجر ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم میہ بھی نہیں کہتے کہ ہمارے اعمال مقبول اور گناہ بخش جنشائے ہیں جیسا کہ مرجمۂ کا خیال ہے۔ کیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ مئلة تفصیل کے ساتھ واضح ہے کہ جو خض تمام شرائط کو لموظوظ رکھ کرنیک اعمال کرے اور





ان میں کوئی منسدِ اعمال امرموجود نه ہؤ کفر'ار تداواورا خلاق ذمیمہ بھی ان اعمال کو برباد نہ کررہے ہوں اور اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہوتو ایسے مخص کے اعمال کو اللہ تعالی ضائع نہیں کرے گا بلکہ قبول کر کے ان کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ شرک و کفر ہے کم درجہ کے وہ گناہ جن سے مؤمن تو بہتو نہ کرسکا ہو گراس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو' تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے جا ہے تو عذاب میں مبتلا کرے

جاہے تو معاف کردے اور بالکل عذاب نہدے ''

امام موصوف کے مندرجہ بالا بیان سے ان کے افکار وآ راءاور مرجمہ کے نظریات کا باہمی فرق و امتماز بخو لی واضح ہوجا تاہے۔

مرتکب کبائر کے بارے میں اسلامی فرقے تین قیموں میں منقسم تھے:

خوارج اورمعتز لهُ جوان کو کا فرسمجھتے تھے۔

۲) مرجمً: جن كاعقيده تقاكه ايمان كے ہوتے ہوئے گناه قطعاً ضرررسال نہيں اور الله تعالیٰ سب گناه معاف فرمادیں گے۔

۳) باقی سب علاء' جن کاعقیدہ تھا کہ عاصی کی تکفیر نہ کی جائے' نیکی کا اجر دس گنا ملے گا' برائی کی سزااس کے برابر ہوگی اورعفوخدا وندی کسی خاص دائر ہ تک محدود نہیں۔

ا مام موصوف کا شاراس تیسر ہے گروہ میں ہوتا تھا۔ یہی رائے جمہورمسلمانوں کی ہےاوراگراس کے

قائل کومر جنه کہا جاسکتا ہے تو تمام مسلمان مرجنہ ہونے سے بری نہیں ہوسکتے۔

اگرامام موصوف اور دیگرعلاء کاعقیدہ مرتکبِ کبیرہ کے بارے میں ایک ہی ہے تو پھران پرمرجنی ہونے کا الزام کوں لگایا گیا؟ شارح مواقف اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وغسان كان يحكيه (اي القول بما ذهب اليه) عن ابي حنيفل ويعده من المرجئة

وهو افتراء عليه قصد به غسان ترويج مذهبه بموافقة رجل كبير مشهور\_ وقال الآمدى ..... قد عدوا أباحنيفة واصحابه من مرجئة اهل السنة ولعل ذلك لان

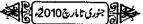
المعتزلة في الصدر الاول كانوا يلقبون من خالفهم في القدر مرجئًا اولأنه لما قال

الإيمان هو التصديق ولا يزيد ولا ينقص ظن به الارجاء بتأخير العمل عن الإيمان وليس كذَّلك اذا عرف منه المبالغة في العمل والاجتهاد فيهـ(١٢٦)

''غسان نا می ایک مرجیٰ فخص اینے عقا کد کوامام موصوف کی طرف منسوب کر کے آپ کومر جئہ میں ا شار کرتا تھا' حالا تکہ بیافتر اءا در بہتان ہے۔ دراصل اس کوایے ندہب کی ترویج واشاعت کے لیے

كسى جليل القدر عالم كى موافقت وسريرتى دركارتقى ..... علامه آمدى في كهاب كه آب كومرجى

ستجھے جانے کی وجہ شاید بیہوئی کہ صدراوّل میں معتزلہ ہرا سفحض کومرجی سجھتے متھے جو تقدیر کے مسلط





میں ان کا ہموانہ ہو۔ یامکن ہے اس کی وجہ یہ ہوکہ چونکہ آپ کی رائے میں ایمان کم وہیں نہیں ہوتا اور اعمال آپ کی نظر میں جزوا یمان نہیں تھے۔اس لیے گویا آپ اعمال کو ایمان سے پیچھے ہٹا کر ارجاء کا ارتکاب کرتے ہیں (کیونکہ ارجاء کا لفظی مفہوم ہٹانا ہے) حالانکہ در حقیقت ایمانہیں' کیونکہ اعمال حسنہ کے انجام دینے میں صدور جہ مبالغہ کرتا آپ سے مشہور ہے''

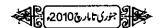
محققین نے نظرت کی ہے کہ مرجئہ کی دوسمیں ہیں۔ ایک وہ فرقہ ضالہ ہے جو علی کی ضرورت کا سرے سے قائل ہی نہیں اور ایک مرجئہ الل سنت میں ہے ہیں جو علی کی ضرورت کے قائل تو ہیں لیکن اس کو ایمان کا جزنہیں مانے۔ بالفاظ ویگر امام صاحب نے عمل کو ایمان سے بالکل الگ قرار نہیں دیا ہے بلکہ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مقام تقدیق کے برابر نہیں ۔ تقعدیق اصل اور بنیاد ہے اس کی عدم موجودگی میں بڑے سے بڑے عمل کا بھی کوئی اعتبار نہیں ، جبکہ عمل کے بغیر دخولِ جنت ہوسکتا ہے ، چاہت اول قبلہ میں ہویا گناہوں کے بقدر مرز اجھکتنے کے بعد ہو۔

اگران کا بیمسلک (اعمال کو جزوایمان نه قرار دینا) پھر بھی قابلِ اعتراض ہوتو ائمہ ثلاثہ کا نہ ہب (ایمان تصدیق قلبی' اقرار باللمان اورعمل بالارکان کا نام ہے ) بھی قابلِ اعتراض تھہر تاہے' کیونکہ بعینہ یہی مسلک معتزلہ اورخوارج کا ہے۔ جیرت اس بات پر ہے کہ ائمہ ثلاثہ ایمان کے لیے عنوان وتعبیر معتزلہ و خوارج کا اختیار کرتے ہیں'لیکن مرتکب کبیرہ کومعتزلہ دخوارج کی طرح ایمان سے خارج نہیں مانے۔

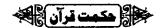
ہاتی رہا بیاشکال کیممل کوائیان کا جزءقر ارند دینے کی صورت میں عمل کی اہمیت کم ہو جاتی ہے تو یہی اشکال عمل کوائیان کا جزءقر اردینے کی صورت میں بھی وار دہوتا ہے کہلوگوں میں مایوی پیدا ہوتی ہے کہ عمل نہیں ہوگا تو جنت نہیں ملے گئ جیسا کہ معتز لہ اورخوارج کاعقیدہ ہے۔

نیزیہ کہنا کہ حنفیہ کے اس قول سے مرجئہ کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے کہ وہ بھی عمل کو ضروری نہیں قرار دیتے اور حنفیہ بھی عمل کو ایمان کا جزینیں مانے 'اس طرح مرجئہ کے مسلک کی تائید ہورہی ہے۔ تو حنفیہ بھی اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی تعبیر سے معزلہ وخوارج کی حوصلہ افزائی ہورہی ہے کہ جس طرح وہ عمل کو ایمان کا جزیقر اردیہ ہیں اور اس طرح وہ عمل کو ایمان کا جزیقر اردیہ ہیں اور اس طرح آپ معزلہ وخوارج کی تائید کردہے ہیں۔

الحاصل: امام صاحب کو صرف اس صورت میں مرجی کہا جاسکتا ہے جب کہ فساق کو مؤمن کہنے والے اور یہ کہ فساق کو مؤمن کہنے والے اور یہ کا بھاروں کو بھی معاف کردیتا ہے اور یہ کہ عفو خداوندی حدود و قبود کی پابند نہیں ان عقائد کے حامل تمام لوگوں پر ارجاء کا فتوی صادر کیا جائے اور ظاہر ہے کہ اندریں صورت صرف امام ابو حذیفہ بی کا شار مرجۂ میں سے نہیں بلکہ معز لدکوچھوڑ کرتمام محدثین وفقہاء بھی اس زمرہ میں داخل ہوں گے۔







## حقیقتِ ایمان میں اعمال کے داخل نہ ہونے کے دلائ<u>ل</u>

1) ایمان کا لغوی معنی تقیدیت ہے اوراس کا تقیدیت کے علاوہ کسی دوسرے معنی کی طرف نقل پرکوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اگر غرف شرع میں تقیدیت کے علاوہ اس کا کوئی اور مفہوم ہوتا تو اس کیا وہ مفہوم شہرت وتو اترکی حد تک منقول ہوتا 'کیونکہ ایمان کا لفظ ہر مسلمان کی زبان پر ہروقت جاری وساری رہتا ہے' لہٰذا اس مفہوم سے ہرایک مسلمان واقف ہوتا 'جبکہ ایسانہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیلفظ اپنے اصل مفہوم تقیدیت ہی پردال ہے۔

) نصوص کی صراحت اوراجهاع اُمت اس بات پردال ہے کہ عذاب خداوندی کے معائد کے وقت کا ایمان نافع نہیں اور بیہ بات تو اظہر من الشس ہے کہ اس ایمان سے مراد تصدیق اور اقرار اسانی ہے کہ اس ایمان سے مراد تصدیق اور اقرار اسانی ہے کہ دیکہ وہ وقت اعمال کے بجالانے کانہیں ہوتا۔

س) قرآن مجید میں جہاں کہیں آیمان کاذکر ہوا ہے اس کی اضافت قلب کی طرف کی گئی ہے۔ مثلاً:

(لُ) ﴿ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوْبِهِمُ الْإِيْمَانَ ﴾ (المحادلة:٢٢)

(٧) ﴿ وَلَمَّا يَدُخُلِ الْإِيْمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ﴾ (الححرات:١٤)

(ج) ﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعُدِ إِيْمَانِهُ إِلَّا مَنْ أَكُرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌ ، بِالْإِيْمَانِ ﴾ (النحل: ١٠٦)

(9) ﴿ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوا امَّنَّا بِالْوَاهِمِ مَ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ ؟ ﴿ (المائدة: ٤١)

اوررسول اللّه مَا لِيُعْتَمُ كاارشا دِّكرا مِي ہے: سِلْمُوعَ مِيْسِ وَبِيْنِهُ مِيْسِانِهِ مِيْهِ وَمِيْنِهِ

((اَللّٰهُمَّ ثَبِّتُ قُلْبِيْ عَلَى دِيْنِكَ)) (۱۲۷)

یہ اوراس طرح کی دیگر بے ثار آیاتِ بینات اوراحادیث میں ایمان کی اضافت قلب کی طرف کی مٹی ہے جس ہے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان قلب کافعل (تصدیق) ہے۔

س الله تعالی نے قرآن مجید میں جہاں کہیں ایمان کا ذکر کیا ہے اس کے ساتھ مصل عملِ صالح کا ذکر بھی کیا ہے۔ اگر اعمالِ صالح ایمان کے اندر داخل ہوتے توبیۃ کرار ہوتا جو کہ عیب ہے اور اللہ کا کلام اس

ي منزه ہے۔

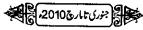
۵) قرآن مجید میں جابجا اعمال صالحہ کو ایمان پرعطف کیا گیا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهِ مِنْ الْمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِ لِحَتِ ﴾ اگرا عمال صالحه ایمان کا جزء ہوتے تو عطف الجزء علی الکل لازم آتا 'حالانکہ معطوف

اورمعطوف عليه ميں کليت وجزئيت نہيں بلکه مغائرت ہونی چاہيے۔

٢) الله عزوجل في صحت وقبوليتِ اعمال كي ليے ايمان كا بونا شرط شهرايا ہے: ﴿ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الشّرط نهرايا ہے: ﴿ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصّلِ لحتِ وَهُو مُؤْمِنْ ﴾ (طلا: ١١٢) اور مشروط داخل في الشرط نهيں ہوتا 'كيونكہ ايما كرنے







ے اشتراط الثی کنفسہ لازم آتا ہے جو کہ ممنوع ہے۔

2) الله تعالى في قرآن مجيد مين تارك اعمال كي ليجهي ايمان كا اثبات كرتي موئ فرمايا:

() ﴿ وَإِنْ طَائِفَتُن مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَكُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۗ ﴾ (الحمرات: ٩)

(ب) ﴿ الَّذِيْنَ الْمَنُوا وَلَهُ يَلْبِسُوا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ (الانعام: ٨١)

( ) ﴿ وَالَّذِينَ امَّنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا ﴾ (الانفال: ٧٢)

مؤخر الذكر آيت كريمه من جمرت ندكر في والے كومؤمن كها كيا ب طال تكد ترك جمرت بعظيم وعيد سنائى كى ب: ﴿ اَلّذِيْنَ تَتَوَفَّهُمُ الْمَلْنِكَةُ ظَالِمِي اَنْفُسِهِمْ ﴾ (النحل: ٢٨) نيز فرمايا: ﴿ مَالَكُمُ مِّنْ وَلَا يَتِهِمْ مِينُ شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُولَ ﴾ (الانفال: ٢٢) اس عظيم وعيد ك باوجوو ترك جمرت كرف والول كومؤمن كها كيا ب-

(9) ﴿ يَا يَتُهَا الَّذِينَ امْنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ ﴾ (الممتحنة: ١)

(9) ﴿ إِنَّا يَتُهَا الَّذِينَ امَّنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا اَمَالِيكُمْ ﴾ (الانفال:٢٧)

( ر ) ﴿ يَا يَنُّهَا الَّذِينَ امَّنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ﴾ (التحريم: ٨)

مؤخرالذ کراور درج ذیل آیت کریمه میں مؤمنین کوتو بہ کرنے کا تھم دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ تو بہ ۔۔۔

کرنے کا حکم مؤمن گنا ہگا رکوہی دیا جاتا ہے نہ کہ کا فرکو۔

(ن) ﴿ وَتُوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيْعًا أَيَّهَ الْمُؤْمِنُونَ ﴾ (النور: ٣١)

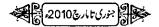
/) ﴿ يَآ يَهُمَّا الَّذِينَ امَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ﴿ ﴾ (البقرة: ١٧٨) ندكوره بالا آيت كريمه مِن قَلِ عمد كاار تكاب كرنے والوں كو بھى يَآ يَتُهَا الَّذِينَ اَمَنُواْ سے خطاب كيا گيا ہے۔

٩) مشہور حدیث جریل میں ایمان کے متعلق حضرت جرائیل طائیلہ کے سوال کے جواب میں بجائے اعمال کے آپ نے تصدیق کا ذکر کیا: ((آنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيُوْمِ الْآخِوِ وَتُوْمِنَ بِالْقَدْرِ حَيْرِهِ وَشَرِّهِ))

10) بالفرض اگرایمان اطاعت کا نام ہوتو دوصور تیں ہوسکتی ہیں:

(۱) مجموعی اطاعت کا نام ہے' تو اس صورت میں اس مخص کومؤمن نہیں کہا جائے گا جس نے تصدیق قلبی کے ساتھ ساتھ اقرار باللیان بھی کرلیا ہولیکن عبادات کی ادائیگی اورا عمالِ صالحہ کی بجا آوری سے پہلے مرجائے' حالانکدایے شخص کے مؤمن ہونے پراجماع ہے۔

(۲) دوسری صورت بیہ ہے کہ ہراطاعت کا نام ایمان ہوئتو اس صورت میں ایک اطاعت ہے دوسری اطاعت کی طرف انتقال انتقال من دین الی دین ہوگا جو کہ بدیجی البطلان ہے<sup>(۲۲</sup>







- ) وه آیات قرآنی جن میں ایمان کے ساتھ اعمال کا مطالبہ کیا گیا ہے:
- () ﴿ يَا يَتُهَا الَّذِيْنَ الْمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُواْ مَعَ الصَّدِقِيْنَ ﴿ التوبة ) (التوبة )
  - (٧) ﴿ لِمَا يَتُهَا الَّذِيْنَ الْمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقْلِمٍ ﴾ (آل عمران:١٠٢)
- ( ) ﴿ لِنَا يَتُهَا الَّذِيْنَ امْنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُواْ قَوْلًا سَدِيْدًا ﴾ (الاحزاب)

مندرجہ بالا آیات بینات میں ایمان کے ساتھ اعمال کا مطالبہ کیا گیا ہے'اگر اعمال حقیقتِ ایمان میں داخل ہوتے تو الگ ہے ان کامطالبہ کیوں کیا جاتا ؟

۱۲) آیت کریمہ ﴿ فَمَنْ یَکُفُورْ بِالطَّاعُونِ وَیُوْمِنْ بِاللَّهِ ﴾ (البقرة: ۲۰) اس آیت میں کفر کے مقابلے میں ایمان کا ذکر کیا گیا ہے اور کفر انکار و تکذیب کا ام ہے اور انکار و تکذیب کامحل قلب ہے البندااس کی ضد ایمان کامحل بھی قلب ہوگا اور بیت ہی ہوسکتا ہے کہ جب ایمان کی تعریف تصدیق سے کی جائے اور تمل اس میں داخل نہ ہو۔

۱۳) حضرت اسامہ بن زید بی کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسے مخص کوتل کردیا تھا جس نے کلمہ پڑھا تھا۔ انہوں نے ایک ایسے مخص کوتل کردیا تھا جس نے کلمہ پڑھا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کوتل کیا کہ یہ جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ علم ہونے پرآپ سکا لیے کا نے فرمایا: ((هَلَّا شَقَقُتَ قَلْبَهُ)) یعن ' تم نے اس کا دل چرکر کیوں نہیں دیکھ لیا؟'' بالفاظ ویگر تنہیں میں جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے' کیا تم یہ یہ یہ کیا تھا۔ انہوں کے کھا تھا؟ (۱۲۹ کے کہا تھا؟ (۱۲۹ کے کہا کہ دوہ مؤمن نہیں محض جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے' کیا تم نے اس کا دل چرکر دیکھا تھا؟ (۱۲۹)

اس مدیث ہے معلوم ہوتا ہے کہ تصدیق کامحل قلب ہے اور ایمان کی تعریف تصدیق سے ہوگی عمل اس کے اندر داخل نہیں۔

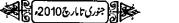
١٣) ايك انصاري صحابيٌ كا واقعہ ہے آنَّهُ جَاءَ بِأَمَةٍ سَوْدَاءَ وَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّهِ وَانَّ عَلَى رَقَبَةً مُوْمِنَةً فَانُ كُنْتَ تَرَى هذِهِ مُوْمِنَةً أَعْتَقُتُهَا ۖ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّهِ عَلَيْكَ اَتَشْهَدِيْنَ اَنْ لَا اِللّهَ اِلّاَ اللّهُ؟ قَالَتْ: نَعَمُ ۚ قَالَ: آتَشْهَدِيْنَ آنِيْ رَسُوْلُ اللّهِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ ۖ قَالَ: اَتُوْمِنِيْنَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ ۖ قَالَ: أَتَشْهَدِيْنَ آنِيْ رَسُوْلُ اللّهِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ ۖ قَالَ: اَتُوْمِنِيْنَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَتْ : نَعَمْ ۖ قَالَ : أَعْتَقُهَا (١٣٠)

مندرجہ بالا حدیث میں آپ من النظام اللہ اللہ کے مؤمنہ ہونے کا پتہ جلانے کے لیے کسی عمل کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا بلکہ اس کی تصدیق بالقلب پراس کے مؤمنہ ہونے کا فیصل فر مایا۔

## اعمال کے جزئئیت ایمان پرمحدثین کے دلاکل

۱) مشهور حديث م وي از ايو جريره داينيه:

((ٱلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً وَالْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ)) (١٣١)







﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ﴿ ﴿ (البقرة: ٤٣) )
 ذكوره بالا آيت كريمه من لفظ ايمان كااطلاق صلوة بركيا مميا أيا ب-

۳) مشهور حدیث مروی از ابو هریره دانشد:

رَ رَحَدِي الزَّانِيُ حِيْنَ يَزُنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَلَا يَشُرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشُرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَلَا يَشُرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشُرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَلَا يَشُرِفُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشُرِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ ) (١٣٣) يَسُوِقُ السَّادِقُ حِيْنَ يَسُوِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ) (١٣٣)

ین زانی زنا کرتے وقت شراً بی شراب پیتے وقت اور چور چوری کرتے وقت مؤمن نہیں ہوتا' ایمان اس سے نکل جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اعمالِ حسنہ ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں۔ اگر ایمان محض تصدیق کا نام ہوتا تو کسی عمل معلوم ہوا کہ اعمالِ حسنہ ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں۔ اگر ایمان محضی کی تکفیر نہ کی جاتی 'حالانکہ اس حدیثِ مبارکہ میں زنا' شراب نوشی اور چوری کے مرتکب کو جہ سے کسی کی تکفیر نہ کی ہوتا تو سے

عدم ایمان سے متصف کیا گیا ہے۔ ۵) وفد عبدالقیس کی حدیث ہے جس میں نبی کریم طَالْتِیْم نے ایمان کی تشریح وتفسیر میں صلوٰۃ وزکوٰۃ و

صام اوراداء حمس من الغنيمة كاذكركرت بوع فرمايا:

أَمَرَهُمُ بِالْإِيْمَانِ بِاللّهِ وَحُدَةً 'قَالَ: ((آتَدُرُونَ مَا الْإِيْمَانُ بِاللّهِ وَحُدَةً؟)) قَالُوا: اللّهُ وَرَسُولُهُ آعْلَمُ' قَالَ: ((شَهَادَةُ آنُ لَا إِلَّهَ إِلاَّ اللهُ وَآنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ' وَإِقَامُ الصَّلُوةِ وَإِيْنَاءُ الزَّكَاةِ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَآنُ تُعُطُوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ)) (١٣١)

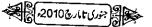
نہ کورہ بالا حدیث مبارکہ میں آپ ٹائٹی کے ایمان کی وضاحت میں اقامتِ صلوٰۃ 'ایتاءِ زکوۃ' صیام رمضان اورغنیمت میں نے مش کی ادائیگی کا ذکر فرمایا۔

" أَ عَنُ آبِي هُرَيْرَةَ آنَّ رَسُولَ اللهِ عَلَيْهُ سُئِلَ آتَّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ : ((اِیْمَانٌ بِاللهِ وَرَسُولِهِ))
قِیْلَ : ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ : ((اَلْحِهَادُ فِی سَبِیْلِ اللهِ)) قِیْلَ :ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ : ((حَجَّ مُبُرُورٌ)) (۱۳۰)
قِیْلَ : ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ : ((اَلْحِهَادُ فِی سَبِیْلِ اللهِ)) قِیْلَ :ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ : ((حَجَّ مُبُرُورٌ)) (۱۳۰)
مندرجه بالا حدیثِ مبارکه افضل عمل کے بارے میں سوال کے جواب میں آپ نے الله اوراس کے مندرجه بالا حدیثِ مبارکه افتحاد میں نامی کا معامل کے عالم مندرجه بالا حدیثِ مبارکہ افتحاد میں نامی کا معامل کے عالم مندرہ بالا حدیثِ مبارکہ افتحاد میں نامی کا معامل کے عالم مندرہ بالا حدیثِ مبارکہ افتحاد کے بارک میں نامی کا مناب کے بارک میں نامی کا مناب کا دارہ میں نامی کا مناب کے بارک میں نامی کا مناب کا دارہ میں نامی کی مناب کے بارک میں نامی کی مناب کے بارک میں نامی کے بارک میں نامی کی کا کے بارک کے ب

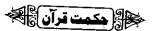
مستروجه بالأحديب بورجه من السياد المرابعان وعمل كانام درديا-رسول پرايمان ٔ جهاد في سبيل الله اور حج مبرور كاذ كرفر ما كرايمان كوعمل كانام درديا-

وہ احادیث جن میں مختلف اعمال حنہ کو ایمان کہا: مثلاً حیاء کے بارے میں آپ کا ارشاد ((اَلْحَیاءُ مِن اَلْاِیْمَانِ)) یاصیام وقیام رمضان کے بارے میں آپ کا ارشاد یا ''حُبُّ آخِ الْمُسْلِمِ'' کو مِنَ الْاِیْمَانِ)) یاصیام وقیام رمضان کے بارے میں آپ کا ارشاد یا ''حُبُّ آخِ الْمُسْلِمِ'' کو آپ کا ایمان فرمانا وغیرہ۔

۔ پ ویدن کر در ہے۔ نہ کورہ بالا دلائل کے بہت سارے جوابات دیے گئے ہیں' لیکن مختصر سے کہ ان ولائل میں اعمال پر







ایمان کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے' کیونکہ اعمال ایمان کے مقتضیات اور توابع میں سے ہیں' یعنی ایمان پایا جائے تواس کے ساتھ ساتھ اعمال پائے جانے چاہئیں۔ یا اعمال پر ایمان کا اطلاق اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ آٹار ایمان میں سے ہیں اور کسی شئے کے اثر پر بھی بھار اس شئے کا اطلاق کر دیا جاتا ہے' مثلاً لفظ ''شمس" کا اطلاق' قوص" (سورج کی نکیہ) پر بھی ہوتا ہے اور اس کے اثر ''ضوء'' پر بھی ہوتا ہے۔ اس طرح''ناد'' کا اطلاق انگارے پر بھی ہوتا ہے اور اس کی لیٹ ولہب پر بھی ہوتا ہے۔

# حضرات محدثین و شکلمین کے درمیان اختلاف کی حیثیت

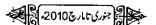
متکلمین ایمان کی تعبیر تقدیق بالقلب اورا قرار باللمان سے کرتے ہیں اور حفرات محدثین تقدیق ممل اورا قرار کے مجموعے کوایمان کہتے ہیں کئین انجام ومآل کے اعتبار سے دونوں میں کوئی اختلاف نہیں کہ مرتکبِ کبیرہ دونوں کے نزدیک مخلد فی النارنہیں ہوگا۔ پھراس اختلاف میں اتن شدت کہاں ہے آگئی؟

بعض حضرات کے نزدیک تو بیا ختلاف لفظی ہے لیکن بیا ختلاف لفظی نہیں بلکہ نظر بے کا اختلاف ہے متکلمین کا نظریہ ہے کہ اعمال ایمان کی فرع ہیں اور ایمان (تقدیق بالقلب) کی حثیت الی ہے جیسے جڑکی حثیت ہوتی ہے اس سے تنا نکاتا ہے اور سے کے بعد پھر شاخیں اور ہے جوز مین کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے اس سے تنا نکاتا ہے اور سے کے بعد پھر شاخیں اور ہے جون میں اور ہے جڑکا جزنہیں ہوتے بلکہ ان کو جڑکے او پر متفرع قرار دیا جا سکتا ہے اس طرح اعمال ایمان پر متفرع قرار دیے گئے ہیں ۔ جبکہ محدثین کے نزدیک ایمان بمز لہ نیج و بنیا د ہے اور عشر کی ہے۔ جیسے شاخ اور ہے جڑکا جزنہیں ہیں ایسے ہی اعمال بھی تقمدیق کا جزنہیں ہیں بلکہ متعلقات اور فروعات میں سے ہیں۔

محدثین کے خیال میں ایمان کی حیثیت اس نے کی ہے جوز مین کے اوپر ہوتا ہے شاخیں اور پتے' اس کا جزء ہوتے ہیں'ای طرح ا ممال بھی ایمان کے لیے جزء ہوں گے (۲۲۰)

یہ اختلاف دراصل حالات کی پیداوار ہے متکلمین اور امام صاحب کے زمانہ میں چونکہ معتز لداور خوارج کا زور تھا جواس بات کے قائل تھے کہ اعمال ایمان کا جزء ہیں ۔ اعمال نہ ہونے کی صورت میں انسان مخلد فی النار ہوگا' کیونکہ ان کے نز دیک مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج تھا۔ ان کی مؤثر تر دید کے لیے امام موصوف اور متکلمین نے یہ بلیغ عنوان اختیار کیا کہ ایمان تصدیق بالقلب اور اقرار باللمان کا نام سے اور اعمال اس کا ثمرہ 'متیجہ اور فرع ہیں نہ کہ جزء۔

جبکہ محدثین کے زمانے میں مرجنہ کا زورتھا جوعمل کو بالکل بے کارسجھتے تھے اور ان کا دعویٰ تھا کہ الطاعة لا تفید والمعصیة لا تصر ۔ان کی تردید کے لیے حضرات محدثین نے یہ بلیخ انداز اختیار کیا کہ عمل ایمان کا جزو ہے تا کیمل کی اہمیت اجاگر ہو۔ورنہ اصل کے اعتبار سے نہ تو متعلمین عمل کی اہمیت کے





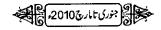


منکر ہیں اور نہمحد ثین ۔ دونوں کے نز دیک عمل ضروری ہے۔ اور دونوں کے نز دیک مرتکب کبیرہ نہ ایمان سے خارج ہوتا ہے اور نہ کلد فی النار ہوتا ہے۔ (جاری ہے)

## حواشي

- (١٢١) الفصل في الملل والاهواء والنحل ابن حزم ع: ص ٢٠٤.
  - (١٢٢) الاتقاء' ص ١٦٧\_
- (١٢٣) الفقه الاكبر٬ فصل المؤمنون وحسناتهم وسيئاتهم واعمالهم
  - (١٢٤) المناقب للمكي ج١٠ ص٧٧\_
- (١٢٥) الفقه الاكبر فصل المؤمنون وحسناتهم وسيئاتهم واعمالهم
- (١٢٦) المواقف فاضى عضد الدين عبدالرحمن اللاتحى مع شرحه للشريف على بن محمد الحرجاني ج٨ ص ٢٩٧\_
  - (١٢٧) سنن ابن ماجه كتاب الدعاء باب دعاء رسول الله ﷺ\_
- (۱۲۸) تفصیل کے لیے طاحظہ ہو شرح المقاصد للتفتازانی' ج۰ ص ۱۹۰ و شرح المواقف' سید شریف علی بن محمد حرحانی'ج۸' ص ۲۲٤ و تفسیر روح المعانی' للعلامه الآلوسی' ج۱ 'ص ۱۱۱ تحت تفسیر قولة تعالی: الَّذِینَ یُؤمِنُونَ بِالْغَیْبِ... و تفسیر مفاتیح الغیب' للرازی' تفسیر سورة البقرة' آیت (۳) ۔
  - (١٢٩) صحيح مسلم كتاب الايمان باب تحريم قتل الكافر بعد قوله "ألَّا الله إلَّا الله"
    - (١٣٠) مسند احمد عج ص ٥٠٬٤٥١ عديث رجل من الانصار
- (۱۳۱) صحيح البخاري كتاب الايمان باب امور الايمان وصحيح مسلم كتاب الايمان باب بيان عدد شعب الايمان وسنن ابي عدد شعب الايمان وسنن النسائي كتاب الايمان وشرائعه باب ذكر شعب الايمان وسنن ابي داؤد كتاب السنة باب في رد الارجاء وسنن الترمذي ابواب الايمان باب ما حاء في استكمال الايمان وزيادته ونقصانه وسنن ابن ماجه باب في الايمان
  - (١٣٢) سنن الترمذي ابواب الايمان باب ما جاء في استكمال الايمان والزيادة والنقصان
- (۱۳۳) صحيح البخاري كتاب الاشربة باب قول الله تعالى انما الخمر والميسر والانصاب..... وصحيح مسلم كتاب الايمان باب بيان نقصان الايمان بالمعاصى.....
- (١٣٤) صحيح البخاري كتاب الايمان باب اداء الخمس من الايمان وصحيح مسلم باب الايمان باب الامر بالايمان بالله تعالى ورسوله وشرائع الدين والدعاء اليه والسوال عنه.....
  - (١٣٥) صحيح البخاري كتاب الايمان باب من قال: ان الايمان هو العمل.
- (۱۳۶) تفصیل کے لیے دکھتے درس بخاری علامہ عثمانی مرتبہ مولانا عبدالوحید صدیقی فتح پوری' ج۱' ص ۱۲٬۱۲۰۔







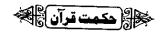


# "ایجادوابداعِ عالم ..... پرہونے والی ایک فتگو

### جناب احمه جاويد

ڈاکٹر اسراراحمدصاحب کے جس کتابجے پر جناب احمد جاویدصاحب کا تبصرہ اورعلمی محاکمہ يبال شائع كيا جار ہا ہے اس كاكمل نائش قارئين كے ليے درج ذيل مضمون كو بجھنے ميں مدوثا بت ہوگا۔ اوروہ ہے:''ایجادوابداع عالم ہے عالمی نظام خلافت تک— تنزل اورار تقاء کے مراحل'' ۔ مجھے امیدِواثق ہے کہ'' حکمت قرآن' کے قارئین کے لیے بیعنوان غیر مانوس نہ ہوگااورانہوں نے اسے عاصل کر کے پڑھنے کی کوشش بھی کی ہوگی اگر چہ بہت سوں نے اس کے مشمولات کوادق پایا ہوگا۔ میرے خیال میں فلیفہ و حکمت کے نہایت غامض اوراعلیٰ ترین مباحث پر بنی برادرمحتر م ڈاکٹر اسرار احمد کی دو تحریروں میں سے ایک زیرتھرہ کتا بچہ ہے ادر دوسری''حقیقتِ انسان'' کے عنوان سے ربع صدی قبل لکھی جانے وال تحریر ہے جواًب'' زندگی موت اور انسان' نای کتا بچے میں شامل ہے۔ جیا کہ زینظر کتا بچ کے عنوان سے ظاہر ہے خالص فلسفیانہ اصطلاح میں اصل محث ربط الحادث بالقديم كا برقد يم اورازلي وابدى ذات بارى تعالى كى برس نے كا ئنات اس كى جملہ ذوات اور انسان کو پیدا کیا۔ بالفاظ دیگر'اصل مسئلہ ذات حِن اور ذوات حِن کے درمیان ربط و تعلق کا ہے۔ان کے درمیان عینیت اور غیریت دونوں ہی ہے مسائل پیدا ہوتے ہیں جوفلسفیا نہ ذ ہن کے لیے خلجان کا باعث بنتے ہیں۔ڈاکٹر اسراراحمدصا حب نے اس مسکلے کی توضیح خالص قر آئی حوالے اور قرآنی اصطلاحات (کلمہ کن کلئے 'نور'امر' خلق'روح) کی مدد سے کی ہے' یعنی وہ ان مسائل میں ختی ہےاہیے آپ کو'' قرآ نیات'' کے اندرر کھتے ہیں جبکہ جناب احمہ جاوید' عرفانیات'' ہے بھی تعرض کرتے ہیں اور بالخصوص تنزلات کے شمن میں شیخ الا کبرمحی الدین ابن عربی کی تصریحات کے شدّ و مدّ کے ساتھ قائل ہیں۔وہ محقق و عارف دانشور ہیں۔ہم ان کی فکری وجاہت اور عرفانی بصیرت کے پوری طرح قائل ہیں ۔مضمون لذا میں ان کا فکرِ رساا پی پختگی کو پہنچا نظر آتا ہے۔ بید دوسری بات ہے کہ عام قار کین کے لیے بیرخاصاعسیرالفہم ہو۔ ہم تہد دل سے احمد جاوید صاحب کے مشکور ہیں کہ انہوں نے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر نہ صرف اس کتا بچے کا بغورمطالعه کیا بلکه اس پراپنامفصل تبصره بھی بہم پہنچایا۔ ہمیں امید ہے کہ قار کین'' حکمت قرآن' میں ہے کچھ تبھرہ کے آخری جلے بڑمل کرتے ہوئے اصل کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کریں گے اور اپنے





رشحات قلم ہے ہمیں نوازیں گے۔ (ابصاراحم)

ایک بجوی وجودی ارتفا کا تصورانسانی شعور کی خلقت میں داخل ہے اوراس کے مظاہر شروع سے

آج تک ایک تسلسل کے ساتھ موجود چلے آرہے ہیں۔ کلا یکی شعور کی روایت میں ارتفا کا اصول طبیعی سے

زیادہ روحانی اوراخلاقی تھا۔ انسان کو تھائن کا معیار اور مرکز مانے اور منوانے کا وہ رو تیجس نے ہا قاعدہ

ایک مادہ علم تشکیل دیا' ارتفاء کے تمام تصورات کی تہد میں غلبے کے ساتھ کارفر مار ہا ہے۔ لیکن اس مادہ علم

میں تبدیلی آجانے کی وجہ سے علم کا مزاج اورا نداز زیادہ سے زیادہ تج بی اورطبیعی ہوتا چلاگیا اور بیطفی تصور

بھی معنویت کے لیاظ سے مادی' میکا کی اورطبیعی ہوتا چلاگیا۔ ہمارے یہاں اس بنیادی تاظری اتن بری تبدیلی کو بہت درید میں غور کے قابل سمجھاگیا۔ اس کا نتیجہ بید نکلا کہ ارتفا کا جدید نامیاتی اورطبیعیا تی اسٹر پچر سے نین کو بہت ورید میں غور کے قابل سمجھاگیا۔ اس کا نتیجہ بید نکلا کہ ارتفا کا جدید نامیاتی اورطبیعیا تی اسٹر پچر شہری تھر بہت بعد میں' جب بید نظر بید نیزی سے اپنی جنور سے نین موروجو کو کا نات اس ہم گیر جدایاتی ما حول سے باہر رہا۔ بعد میں بلکہ بہت بعد میں' جب بید نظر بید فراروزم میں جذب ہو گیا اوراس کے واضح تہذ ہی اور تاریخی نتائج بھی نکلنے لگتو نہ ہی قریم سے ایک ارتفاش میں جدب ہو گیا اور انسان شعور کے تمام تناظرات بلکہ مسلمات بھی خودکواس سے ہم آہاک رکھنے پر مجبور ہو بھے ہیں۔ خدا انسان اور کا نیات کے بارے میں تشکیل پانے والماکوئی تصور آج ڈاروزم میا سے نہ آہاک سے نہ تہ تک سے لاتھاتی رہے کا حقی نصور آج ڈاروزم میں نہی نہیں رکھا۔

ایسے ہیں ڈاکٹر اسراراحمد صاحب نے ''ایجاد وابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک تنزل وارتقا کے مراحل'' لکھر گویاایک فرضِ کفایہ اداکیا ہے۔ کم از کم جھے بید کھ کرایک بہجت آ میز چرت ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب نظریہ ارتقا کوایک تو ڈارون کی ملکیت نہیں ماننے اور دوسرے یہ یقین رکھتے ہیں کہ نہ ہی شعور کی ارفع سطح پرارتقا کا عالمگیر قانون اپنے وہ مصدا قات عاصل کرسکتا ہے جو اسے سائنس فراہم نہیں کر سکتی۔ ڈاکٹر صاحب اپنی ذہنی افتاد کے حساب سے ایک ماہرِ منقولات سے زیادہ کسی وسے البنیا و theorizer کی طرح ہیں جوانسان کی وجودی معنویت کو تقدیری اور تاریخی دائروں میں مرکز کے طور پر برمرِ عمل دکھانا چاہتا طرح ہیں جوانسان کی وجودی معنویت کو تقدیری اور تاریخی دائروں میں مرکز کے طور پر برمرِ عمل دکھانا چاہتا ہے۔ ان کے تصورِ انسان میں جہاں رومی کی عارفانہ گہرائیاں پائی جاتی ہیں وہیں اقبال کا انقلا بی انتظا بی انتظا بی انتظا بی کا بیاجتماع تی ڈاکٹر صاحب کے اکثر بنیادی تصورات کا قوام ہے۔ ان کا بیہ اور ایک طاحت فراہم کرتا ہے۔ بیا پئی جگدا تنا بڑا کا م ہے کہ عقل کا منطقی سانچہ اسے تقدیری مقصود تک پہنچانے کی طافت فراہم کرتا ہے۔ بیا پئی جگدا تنا بڑا کا م ہے کہ عقل کا منطقی سانچہ اسے نقدیری مقصود تک پہنچانے کی طافت فراہم کرتا ہے۔ بیا پئی جگدا تنا بڑا کا م ہے کہ عقل کا منطقی سانچہ اسے پوری طرح ڈول کرنے کی سائی نہیں رکھتا۔ اس تحریہ میں پر نے صوفیوں کی طرح ڈاکٹر صاحب کی فکر بھی



ایک وِژن کی طرح ہے جس میں استدلال محض مخاطب کی سہولتِ فہم کے لیے ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ارتقا کو جوہرتخلیق اورمقصود آ فرینش کےطور پر دیکھا ہے۔ ارتقا چیزوں کی طبیعی بناوٹ کا تقاضانہیں بلکہ اللہ کی شانِ خلّا تی کا اقتضاہے جس کی مرحلہ وارتقدیری پیش رفت میں انسان ایک فعال کردار کی ادائی پر مامور ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے تصوّرِار تقا کا ایک خلامہ یہ ہے کہانسان اور کا کتات بالآخراپ وجود کی حقیقت تک پہنچیں گے اور تخلیق کی غایت قصویٰ تاریخ کے منتہا پرایے سلسلہ ظہور کو کممل كرنے والى حقيقتِ محمرى على صاحبها القلاۃ والتسليم كے فيضان سے حاصل ہوكررہے گی۔اس ہمہ جہت تصور کی تشکیل میں ڈاکٹر صاحب نے مسلمانوں کی تمام عرفانی علمی ٔ اخلاقی اور کسی حد تک جمالیاتی روایات کو یکجا کر دیا ہے۔ کم ہی نظریات ہوں گے جن میں ایسی جامعیت پائی جاتی ہو۔

میری رائے میں مسلم روایت کی پوری تاریخ میں جونظر بیدڈ اکٹر صاحب کے اس تصور کا اولین محرک اور محکم ترین مؤید کہلاسکتا ہے وہ نظریہ وحدت الوجود ہے۔ وحدت الوجود کے عرفانی نظریے نے عقل کے اس خلقی مگر انتہائی مطالبے کی محمیل کاعمل انجام تک پہنچایا ہے کہ حقیقتِ وجود اور واقعیتِ وجود میں ربط کی اقسام کیا ہیں اور ان میں فعلیت کا پورا نظام کس طرح کارفرما ہے۔اس نظریے کی تشکیل میں مرکزی كر داراداكرنے والی شخصیات نے اس موضوع كواس طرح واضح كيا ہے كه علم كامقصوديہ ہے كہ هيقتِ وجود كوتعينات مين شناخت كرلے \_ نظام مستى اور نظم عالم كى تحقيل كوا پنا ہدف بنانے والے تمام علوم نے جونتائج بھی نکالے ہیں وہ اس موضوع کے احاطے میں آتے ہیں۔ گویا وحدت ٔ عقل کا وہ نقاضا ہے جسے پورا کیے بغیرہتی اور کا ئنات کا کوئی بھی علم اصالت اور کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔ا پنے مابعد انطبیعی سیاق و سباق ہے ہٹ کر بھی بیموضوع اور بیا قتضائے وحدت انسانوں کے ان تمام نظریات کی بنیا در ہاہے جو کا نئات کے بارے میں بلکہ اپنے کسی مقصودِ عقلی کے بارے میں کسی کلی اور مجموعی موقف تک اس طرح بہنچنا چاہتے ہیں کہ اس موقف میں کسی اصولی تغیر کا امکان نہ رہے۔مثال کے طور پر مادے کے حقیقی ہونے پراصرار کرنے والے تمام فلفے اس نقطہ وحدت تک پہنچتے ہیں کہ وجود کی خقیقت واحد ہے جواس کے مظاہر کی کثرت سے متأثر نہیں ہوتی مختصریہ کہ شعورِ انسانی نے اپنی ماہیت کے بعض ضروری اجزاءاور اینے بیشتر طے شدہ مقاصد ہے ہٹ جانا قبول کرلیا ہے لیکن اپنی اس اساس کوتمام تغیرات کے باوجود برقرار رکھا ہوا ہے کہ ایک مرکز واحد کوا دراک اور تحقیق کی مشقل بنیاد بنائے بغیرعلم کی تفکیل اور وجود کی تحقیق کاعمل وا تعنہیں ہوسکتا۔

شعور کی اس وحدتِ اساس نے جو ماورائے تغیر تناظر وضع کیے ہیں ان سے اصول و تقائق کی طرف پیش رفت کرنے کے دو بڑے انداز پیدا ہوئے۔ایک مابعد الطبیعی اور دوسراطبیعی ۔ حقیقت یعنی ہستی کی اصل وا حد کے بید دونوں تنا ظراس لحاظ ہے تو ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں کہ شعور میں ان کا

50

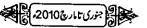






مبنیٰ واحد ہے اور بیدونوں ہی شعور کے سب سے بنیا دی اور سب سے طاقتورا قتضا کے مظاہر ہیں' کیکن اس structural مناسبت کے سواان میں کوئی چیز مشترک نہیں ہے۔اشتر اک تو دور کی بات ہےان میں ایک کا ہرجز ود دسرے کے تمام اجزاء سے متصادم ہے۔ شعور مابعد انظبیمی اصول تحقیق اور طبیعی اساسیات علم سے نکلنے والے نتائج کو بھی ایک خانے میں یجانہیں رکھتا، یعنی ان کا متیاز ہرسطے پر برقر ارر ہتا ہے۔ان کے نتائج اور حاصلات خواہ ہم موضوع اور ہم لفظ ہول ایک نا قابلِ تطبیق معنوی بعد کی وجہ سے شعور کے محقوی ( content ) کے طور پر بھی بالکل الگ الگ رہتے ہیں۔ یہ تقسیم اتی متعقل ہے کہ کم از کم کسی بھی کلا کی روایت میں اس کوختم کرنے کی کوئی کوشش نہیں ملتی جتی کہ اگر طبیعی منطق برخدا کا وجود ثابت ہو جائے تو اس ثبوت کوبھی مابعد الطبیعی شخقیق قبول نہیں کرتی بلکہ اس وجود کوخد انہیں مانتی جے طبیعیات دریافت کرتی ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ بیہ ہے کہ مابعد لطبیعی تناظر میں کا ئنات اپنی موجودیت کےان اسالیب اوران حدود تک محدود نہیں ہے جن کی بنیاد برطبیق تحقیق اپنے دائمی اصول اس طرح وضع کرتی ہے کہ اس کے تمام تحرکات اور حاصلات وجود کا کنات کے ایک کلی تصور سے میسر آتے ہیں اور وہ تصور اتنا اساس ہے کہ طبیعیات میں ردّ وقبول کا ساراعمل اینے تمام تر اختلا فات سمیت اس کے اندرشروع ہوتا ہے ادراس میں تمام ہوجاتا ہے۔ مابعد الطبعی شعور' کا کنات کے اندروجود میں حقائق کی موجودیت کے اسلوب سے کوئی مشابہت اورمما ثلث نہیں دیکھا۔اس کے نز دیک کو نیات حقائق ہے ایک مستقل انفعال کی نسبت رکھتے ہیں اور ان کے mechanics سے کوئی ایساتعلق نہیں رکھتے کہ بیر تقائق کے علم کا کوئی بنیادی ذریعہ بن جا کیں ۔ گویا مابعدالطبعی شعور وجودا ورمظا ہر کے درمیان پائی جانے والی نسبتوں میں ہے تھن چند کو کا کٹات میں لائقِ حصول اور قابلِ اعتبار سمجھتا ہے' مگر وہ بھی اس طرح کدان چندنسبتوں پر تکییکر کے بستی کے حقیق اصول اور وجود کے اساس امور کی طرف رسائی کا وہ راستہ نہیں کھولا جاسکتا جو تھائق کی بھینی اور مجموعی معرفت کے لیے درکار ہے ۔ لیعنی کا ئنات میں اپنی حقیقت پرشا ہد بننے کی جتنی استعداد پائی جاتی ہے وہ اس حقیقت اور اسے تفکیل دینے والے دیگر حقائق تک پہنچانے کے لیے ناکا فی ہے۔اس لیے مابعد الطبیعی شعور کا ئنات کومخلوق مان کراس کے پورے نظام حرکت کومعروف حدود میں متعین کر کے دیکھتا ہے اور کسی انے عمل کے اثبات کی طرف راغب نہیں ہوتا جس میں پیرنظام حرکت کسی ایسے تصور کی بنیا دبن جائے جس کی رو ہے کا نئات میں ایک ایسے خلیقی ارتقا کا امکان پیدا ہوجائے جواس کی معروف ساخت ہے میل نہ کھا تا ہو۔ یہ بات قدر سے پیچیدہ ہے تمرانتہائی قابلِ غور ہے کہنوعی سطح کی تقلیبِ ماہیت مابعدالطبیعی نکتہ نظر ے کا کنات کے مخلوق ہونے کے منافی ہے۔

نظریدًارتقا کے متداول اور مؤثر ترین ورژن کے حوالے سے ندہبی حلقوں میں اگر پچھ موافقانہ گفتگو بھی ہوئی ہے تو علمی سطح پر وہ پست درجے کی ہے اور تکنیکی پہلو سے ایک لائقِ استہزا اناڑی پن کا ملغوبہ







ہے۔اس سارے نظریے اور اس کی بنیاد پر پیدا ہونے والے نظریاتی تحکم کا یکسر مخالف ہوتے ہوئے بھی مجھے ڈاکٹر اسراراحمرصاحب کی اس کتاب میں کم از کم یہ چیز ضرور نظر آتی ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد ذہبی ذہن کی پسماندگی کا افسوس ناک تا ٹرنہیں پیدا ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب نے حیاتیاتی ارتقا کے سائنسی دروبست سے زیادہ سروکارر کھے بغیرا ہے جس مہارت کے ساتھ ذہبی تضور انسان کی تشکیل میں صرف کر کے وکھایا ہے وہ جا ہے نا قابلِ تشلیم ہوگر باعث فخر ضرور محسوس ہوتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے فی الواقع نہ بہی تصورِ انسان میں ایک نئی قوت کا اضافہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے لیے انہوں نے آ دمی کے حیاتیاتی اصول میں تقریباً مان لیے جانے والے نظریہ کو اس کی روحانیت سے متعلق کر کے دیکھنے کی کوشش کی ہے تا کہ اس قانونِ حرکت وارتقاء کی کارفر مائی انسان کی نفسی وروحانی اقلیم میں بھی الیں معنویت کے ساتھ دکھائی جا سکے جواس کی حقیقت اور غایت سے پوری طرح ہم آ ہنگ ہو۔ ڈاکٹر صاحب چونکہ حیاتیاتی ارتقا کو قریب قریب مسلمات میں سے بچھتے ہیں لہذا وہ اپ نم بھی کی ہم تا ہوگ ہو۔ ڈاکٹر صاحب چونکہ حیاتیاتی ارتقا کی فریب قریب مسلمات میں سے بچھتے ہیں لہذا وہ اپ نم بھی ہوں کی بہترین قوت کے ساتھ اسے انسان کی نوعی حقیقت اور مقصود تک رسائی کا ایک بنیادی ذریعہ بنانا جا ہتے ہیں۔ ان کی رائے میں حیاتیاتی ارتقا کل انسان کا احاطہ نمیں کرتا بلکہ اس مجموعی پیش قدمی کا محض کرتی آ رہی ہے۔

یہ بالاتر فطری انتخاب اور وجودی معیار اپنی کار فر مائی تمام دائر وں میں طبیعی مادی اور جسمانی نہیں۔

یا انسانیت کے programmed تقدیری اصول ہیں جن کی بنیاد پر انسان اپنی نوع اور اپنی مجموعیت کے
ساتھ اپنی طے شدہ غایات کی طرف حرکت کرتا ہے۔ یہ حرکت جب حیاتیات کے دائرے میں اور حیاتیاتی

**5**33

بکیل کے حصول کا ذریعہ بے تو اسے کہا جائے گا کہ بیمعروف معنی میں حیاتیاتی ارتقاہے۔ لیکن انسان کی کلیت اپنے تمام اجزا کو اسے گہرے اور شدید ربط کے ساتھ آئیں میں جوڑے ہوئے ہے کہ بیاجزا اپنی اصلیت ہی میں واحد نہیں ہیں بلکہ اپنی فعلیت اور اس فعلیت سے مرتب ہونے والے آثار کی طح پرجمی ایک الوٹ وحدت پراستوار ہیں۔ ڈارون وغیرہ کے تصورات ارتقاسے انسان کی نوعی پیش قدمی کی طرف گویا ایک لائن تسلیم دلالت حاصل ہوگئی ہے۔ گویا انسان کے کل نیس کا رفر ماایک اصول حرکت کے قابل اثبات ہونے کے حسی شواہد حاصل ہوگئی ہے۔ گویا انسان کے کل نیس کا رفر ماایک اصول حرکت کے حاتم ہیان کیا جائے تو میرے خیال میں وہ بہی ہوگا کہ جس حرکت وجود کی کا نام انسان ہوہ حرکت وجود کی اپنی آن میں اور سب سے زیادہ لائق ہیں رکھتی ہو اور اس حرکت کاحسی پیٹرن سب سے زیادہ قابلی قبول شکل میں اور سب سے زیادہ لائق اس کا ایک جنوبی مال کا ایک جزوی اظہار بچھر کو قبول کر لیں تو اس سے ہمارے لیے قرآن کے مطلوبہ یا زیادہ واضح لفظوں کمل کا ایک جزوی اظہار بچھر کو قبول کر لیں تو اس سے ہمارے لیے قرآن کے مطلوبہ یا زیادہ واضح لفظوں کی کہیں تو اللہ کی طرف ایک ایسا اشارہ میسر آجا تا ہے جے رد کر ناملی سطح پر ممکن نہیں رہتا۔

انسانی شعور کاتمام مزاج علم اور اسلوب اثبات جس اصول سے سب سے زیادہ مناسبت رکھتا ہو ہو اصول یہی ہے کہ تھائی کو محسوسات کے دائر ہیں لے آنا۔ ہار اشعور تھائی کے بارے بیں اثبات و سلیم کے موقف پر قائم رہنے کے لیے جوسب سے بڑی کمک فراہم کرتا ہے یا حاصل کرتا ہے وہ محسوسات کی ہوتی ہے۔ جس تجر بات اگر ایک روحانی تناظر بیں دیکھے جا کیں تو ان کی تمام معنویت صرف ہوتی ہے کسی روحانی حقیقت کے علم بیں آ جانے کے ممل بیں۔ ڈارون نے انسانی شعور کے بہترین اصولوں کو استعال کرتے ہوئے ذہبی شعور کی بہت می ضرور توں کو پورا کرنے کا ڈول ڈالا ہے اور اس کے لیے ہمارے ان مسلمات کو استعال کیا ہے جو علم کی تصدیقی سطح پر یا شعور کی حس طح پر خود کو تسلیم کروانے کا سب ہمارے ان مسلمات کو استعال کیا ہے جو حس کی تھی تھی ہے۔ ہوئے دہ ہمانے اور عقید ہے جیسی زیادہ ہے۔ ہماری خبری فکر بیس شاید ہملی مرتبداس مسلمت ساخت نظر یے جیسی کم ہے، مسلم اور عقید ہے جیسی زیادہ ہے۔ ہماری خبری فکر بیس شاید ہملی مرتبداس مسلمت میں خود وہ کو دور کی بیت میں تماری خبری فکر بیس شاید ہمان مرتبداس مسلمت عام کو خبری بہت می ہندہ کی کر واسلا کی اگلے ہوئر وسیلہ بنا کر استعال کیا گیا ہے۔ بوری بات بیہ کم کر اسان وہ واحد وجودی کل ہے جس کے تمام این اعراض حب این کا مرتب ای کا کیا میا وہ وہ وہ کر کے تکیل کا بھی ایک مورات کو اقبال کی طرح ای نظر بیا ادران سے جس پر ڈاکٹر صاحب کی فکر کی اساس ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تمام تصورات کو اقبال کی طرح ای نظر بیا کا اسان سے جس پر ڈاکٹر صاحب کی فکر کی اساس ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تمام تصورات کو اقبال کی طرح ای نظر ہیں۔ ان ان سے مر بوط کر کے فکیل دیے جیں اور اینے تمام خیالات کو اس کی تغیر میں استعال کرتے ہیں۔ ات خوالات کو ای کا تھیر میں استعال کرتے ہیں۔ ان خیال کی تعیر میں استعال کرتے ہیں۔ استعال کرتے ہیں۔ ان خیالات کو ای کا تعیر میں استعال کرتے ہیں۔ استعال کی تغیر میں استعال کرتے ہیں۔ استعال کرتے ہیں۔ استعال کی تغیر میں استعال کرتے ہیں۔ استعال کرتے ہیں۔ استعال کی تغیر میں کو کی کو کرتے ہیں۔ استعال کی تعیر میں کی تعیر کی کو کرتے ہو کرتے ہو کی ک





ہمہ گیر تاظر میں ممکن نہیں تھا کہ ڈاکٹر صاحب انسان کے حیاتیاتی mechanism کوایک نظریاتی زور
دینے والے تصور سے خود کو اتعلق رکھتے۔انہوں نے متداول فدہبی ذہن کے سطح اثبات وا نکار سے الگ یا
بلند ہوکراس مؤثر ترین نظر یے کواس کی سائنسی بناوٹ سے جدا کر کے اسے انسان کے وجود کی معالمت میں واظل کر دکھایا ہے۔ انسان اپنے تمام وجود کی مراتب میں جس روبہ کمال حرکت کا نام ہے وہ اگر اس
میں واظل کر دکھایا ہے۔ انسان اپنے تمام وجود کی مراتب میں جس روبہ کمال حرکت کا نام ہے وہ اگر اس
کے حیاتیاتی در ہے میں بھی فابت یا واضح ہوجائے تو اسے ڈاکٹر صاحب کی بالا ترمنطق کے مطابق اس
بات کی دلیل بنایا جاسکتا ہے کہ مین یہی ارتفائی تحرک ان روحانی درجات وجود میں بھی ہور ہاہے جوانسان کو
اس کی حقیقت اصلی سے جوڑ رور کھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اسے اپنی اس غایت وجود کی طرف کیسو بھی
رکھتے ہیں جو کسی بھی پہلو سے مادئ جسمانی اور حیاتیاتی نہیں ہے۔ باالفاظ ویگر انسان میں اس کی حقیقت
اور غایت کا نفوذ اس قدر ہمہ گیر ہے کہ اس کا بور انظام حرکت ایک عملی وحدت بھی رکھتا ہے اور بدیجال ہے
کہ انسان کا structural تحرک اس کی کلیت کے بعض حصوں میں جاری رہے اور بعض اجزا اس تحرک
کہ انسان کا معاری رہیں۔اگر کسی طرح سے بہ تابت ہوجائے کہ خلقت انسانی کی حیاتیاتی دائروں میں کوئی ارتفائی
حرکت کا رفر ما ہے تو بھر مزیداس جوت کی ضرورت نہیں رہ جائے گی کہ بہی عمل اس کے دوسرے دائروں
میں بھی ایک اصولی ہم آ ہنگی کے ساتھ ہوتا آر ہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کامقصودِ فکر ہی ہے کہ انسان کی حقیقت اور غایت جس ایک نقطے میں کیجا ہیں وہ نقط ہے خلافت الہیں۔ اس اسای نقطے کے انفرادی مظاہر تو انبیاء کی صورت میں کمل ہوکر سامنے آگئے تا ہم اس کے نوعی مظاہر کی تشکیل اور ان کا ظہور انجی باقی ہے۔ ڈارون کے تصویر ارتقا کی پوری ممارت نظری اصطلاحات میں دوستونوں پر قائم ہے: فطری انتخاب اور بقائے اصلح واقو کی فطری انتخاب کو یا ایک نظام الوجود ہے انفس وآفاق کو ایک دوسرے ہے منقطع ندر کھتے ہوئے ان کی وجودی استعداد کے مطابق ان کی مستی کے درو بست کا ہمہ دفت متغیر تعین کرتا رہتا ہے اور بنت کے اصلح واقو کی دراصل اس استعداد کا نام ہے جو وجود کو بدلتے ہوئے ماحول اور ہتی کے جدلیاتی سیاق وسباق میں اپنا ظہور کرتی ہے۔ بیداصول حیا تیاتی سطح پر اپنی کا رفر مائی کا جو اسلوب رکھتا ہے ڈارون نے قریب قریب اسے دریافت کرلیا ہے، کئین اس اصول کی کا رفر مائی کے دیگر مراجب بھی ہیں جن کی تھی سائنسی تقید این کمان نہیں کیونکہ وجود اپنی تمام تفصیل میں تقید ہی کے خیر تج بی اجزاء کے "mechanics" کو جانے اور مانے کا واحد ذریعہ ضرور ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے غیر تج بی اجزاء کے "شدانسان حقیقیت وجود کا ایک جامع حامل ہے اس لیے اس کے اجزائی مقدرات کی تحقیق اس کے خیر دیک چونکہ انسان حقیقیت وجود کا ایک جامع حامل ہے اس لیے اس کے اجزائی مقدرات کی تحقیق اس کے کئی دیک گی تھائق کی معرفت فراہم کر سکتی ہے۔

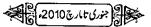
ڈاکٹر صاحب کے پور کے تصور کو اگر ہم اپنی سہولت کے لیے ایک نیم فلفیانہ تناظر میں theorize





كركے بتانا جا بيں تو غالبًا يوں كہا جاسكتا ہے كەانسان ايك جامع المراتب ستى ہے جس كے ہونے كى ساخت شروع سے آخر تک حرکی ہے اور اس کی کلیت کومختلف در جوں پر define کر کے ہی اس کے اصول حرکت کے ساتھ سمجھا جاسکتا ہے۔ بیسب درجے ظاہر ہے کہ نہ صرف کدایک ہی انداز ہستی رکھتے ہیں بلکہ ایک ہی حقیقت سے موجود ہیں اورایک ہی غایت ان کے وجود کی کل متاع یا واحد جواز ہے۔انسان کاخلیفۃ اللہ ہونااس کے موجود ہونے کے ہرجزومیں روح کی طرح سرایت کیے ہوئے ہے۔ انسان کے تمام مذہبی معانی اس کے مقامِ خلافت ہی سے متنبط ہوتے ہیں اور انسان کی معنویت کا دارومدار بی اس تحقق پر ہے کہ وہ خلافت کا ق potential دے کر پیدا کیا گیا ہے اور اس خلافت کو عمل میں لانے کامقصود حاصل کرنا ہی اس کی غایت ہت ہے۔ بیاستعداد اور بیمقصود اس قدر رائخ 'اتنامستقل اور الیاحقیق ہے کہ وجو دِانسانی کی فناویقا کے تمام اسباب وامکانات ای سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کے لیے پیدا ہوتے ہیں گویاا ہے نیم مابعدالطبیعی تعین میں انسان صفات حق کا مظہر جامع ہے ۔ تقدیری اور تکویلی مرتبے میں بیہ مظہریت ایک فعال حرکت بنتی ہے' وہ حرکت جوانسان کے معمولِ اختیار اور معمولِ شعور کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ان کا سبب ہے۔ بہت واضح لفظوں میں کہا جائے تو یہ کہنا بھی ٹھیک ہوگا کہ اس مرتبے میں انیان کا خلیفة الله ہونا نقدیرِ وجود ہے ٔ سب انفس وآ فاق اس تقدیر کوظہور میں لانے کے پابند ہیں۔اس تقدیری در ہے میں استعداد بالقوۃ اور بالفعل کووہ زندہ ربط حاصل ہوتا ہے جس کی بنیاد پر تقدیرا ور تاریخ ایک دوسرے سے متاز رہتے ہوئے باہم مربوط ہیں۔ یہاں گویا انسان کی حقیقت خلافتِ معلوم اللی ہونے کے ساتھ مقد ورالی ہونے کی سند بھی حاصل کرتی ہے۔ یہاں ذراسارک کرد کیھئے کہ تمام کا رَجانهُ تخلیق میں انسان کے علاوہ کون ہے جس میں اللہ کا معلوم اور مقدور ہونا اس طرح جمع ہو کہاس کے اپنے شعور'ارادے اوراختیار کی کارفر مائی کا میدان بھی تنگ نہ ہونے پائے۔ بچے ہے کہ سب سے بڑی تقدیری حقیقت انسان ہے۔ اگلے مرحلہ مستی میں حقیقتِ انسانی کی بید دونوں جہتیں ایک mode of historicization میں اپناا ظہار کرتی ہیں۔ یہاں گویا انسان مرکز بکوین ہے جس کی آزادحرکت تاریخ کوجنم و بی ہے اور وجود کے انفسی و آفاقی کھیلاؤ کے جدلیاتی pattern کی بانی اور محافظ بنتی ہے۔ یہاں خلافت حقیقت سے زیادہ غایت ہے جے حاصل کرنے کے لیے ایک تاریخی پیرائے حرکت در کا رہے۔ ڈاکٹر صاحب کی نظر میں تاریخ بھی حیاتیاتی قوانین کی طرح ہے اوراس میں بھی وہی فطری انتخاب

ڈاکٹر صاحب کی نظر میں تاریخ بھی حیاتیاتی قوانین کی طرح ہے اوراس میں بھی وہی فطری انتخاب اور وہی بقائے اصلح کا اصول برسر عمل ہے جس کی بنیاد پر انسان کا حیاتیاتی تحرک وجود رکھتا ہے۔ تاریخ کی بناوٹ ہی افعالی اور غایاتی ہوتی ہے اس لیے ہستی کے تاریخی لیعنی کا کناتی ماحول میں انسان کی شانِ خلافت آکے۔ structure اور ایک نظام کی صورت میں خود کو تشکیل دیتی ہے۔ اس مرحلہ ہستی میں انسان اپنی تمام ترکلیت کے ساتھ اپنی خلافت کو ایک تاریخی حقیقت بلکہ واقعہ بنانے کی تک ودوکرنے پر مامورہے۔ یہ می و





عمل ہی وہ استعداد ہے جہاں فطری انتخاب کا نیم بابعد الطبیعی اور تقدیری mechanism ظہور میں آتا ہے۔ انسان کی روحانی اورا خلاقی حرکت پر مرتب ہونے والا پر تقدیری انتخاب ایک دوطرفہ بن رکھتا ہے۔ ایک پہلو سے یہ انتخاب عمل میں آچکا ہے اور دوسرے رخ سے اس فیصلے کا اظہار ہونا ابھی باقی ہے۔ دارون نے آکر جمیں پر امیدر ہے کا کم از کم یہ سامان ضرور فراہم کردیا ہے کہ ارتقا کا روحانی عمل ہونے میں حیاتی ہے اور اس کے نتائج پر چونکہ خود وجود ہی کی اصولی تحمیل کا اخصار ہے اس لیے اسے کھمل ہونے میں حیاتی ارتقا کے مقابلے میں کچھودیر لگے گی۔

ڈاکٹر صاحب کا واقعی کمال ہے کہ انہوں نے وجود کی ہمہ جہت یک اساس کے عرفانی مسلّمے کونظری کے ساتھ ساتھ علمی اورحتی شواہد بھی فراہم کردیے ہیں یا اس فراہمی کا ایک ٹھوس آغاز ضرور کردیا ہے۔ ان کی اس اپروچ میں میرے لیے ایک دلچیں کا سامان می ہی ہے کہ اس کے نتیج میں میہ باور کرناممکن اور آسان ہوجا تا ہے کہ فد جب کی بنیاد پر تقمیر ہونے والا شعور اپنے محتوی ( content ) کے اعتبار سے شعور کی تمام شاخوں کو جامع بھی ہے اور انہیں ان کی مشتر کہ غایت تک پہنچانے کا سب سے طاقتور ذریعہ بھی۔ اگر ان کے اس رسالے سے صرف اتنی معرفت بھی حاصل ہوجاتی تو وہ بھی بہت قیمتی ہوتی اور متداول نہ بھی میں ان کے اس رسالے سے صرف اتنی معرفت بھی حاصل ہوجاتی تو وہ بھی بہت قیمتی ہوتی اور متداول نہ بھی میں انہائی بنیا دی اور مستقل نقائص کا از الدکرنے کی ضانت بھی مہیا کردیتی۔





غایت کیا ہے؟ انسان کی خلافت الہیکامحل بنتا! آدمی ہے مغلوب ہونے کی استعداد ہی کا سکتات کا مایہ ہستی ہے اور یہ مغلوبیت شعور کی جہت سے تو بڑی صد تک ثابت ہے تاہم وجودی اعتبار سے اس کا ثبوت ابھی

پردہ ٔ تقدیر میں ہے۔ حقیقت میں حاضراور واقعیت میں غائب! اس گفتگو میں ڈاکٹر صاحب کی اپنی اصطلاحات سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا تا کہ ایک پھول کے مضمون

کوسورنگ سے باندھنے کا تجربہ کرلیا جائے۔اس سے بات میں وہ تازگ بھی پیدا ہوجاتی ہے جوشعور کے مخلف احوال میں اس کی قبولیت کے درواز ہے کھول سکتی ہے۔ یہ گفتگو ہرگز اس غرض سے نہیں کی گئی کہ سامع یا قاری اصل کتاب سے منتغنی ہوجائے' بلکہ اس کے برعکس اگریہ گفتگو کتاب کے مطالعے پراکسانے میں کا میابئیں ہوتی تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

### **\***

### بقيه: ترجمه قرآن مجيد

بقیه تر مهمران بنید

یکٹوزَنُونَ : پچھتاتے ہیں یستبشروُن : دولوگ خوشی مناتے ہیں بِنِعْمَةِ : ایک الی نعت کی جو مِینَ اللهِ : الله (کی طرف) ہے ہے

وَّ فَضُلِّ : اور فضل كَ اللّه : الله : الله عنه عنه عنه التح نبيس كرتا

آجُرَ الْمُؤْمِنِيْنَ: ايمان لانے والوں كے

بہو ' سورِیویں ' بیہ ن وات و رق ک اجرکو **نوٹ**: آیت ۱۲۹ میں شہداء کی فضیلت بیر بیان کی گئی ہے کہ دہ مرینہیں بلکہ زندہ ہیں۔جبکہ بظاہران کا

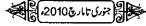
مرنااور قبر میں دفن ہونا مشاہداور محسوس ہے۔ پھر قرآن مجید میں ان کومردہ نہ کہنے اور نہ بچھنے کی جو ہدایات
آئی ہیں ان کا کیا مطلب ہے۔ اگر کہا جائے کہ حیاتِ برزخی مراد ہے تو وہ ہرمؤمن و کا فرکو حاصل ہے۔
پھرشہداء کی کیا خصوصیت ہوئی؟ اس آیت میں اس کا یہ جواب دیا گیا کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں
اوران کورزق دیا جاتا ہے اوررزق زندہ آدمی کو ملاکرتا ہے۔ اس ہے معلوم ہوا کہ اس دنیا ہے منتقل ہوتے
ہی شہداء کے لیے جنت کا رزق جاری ہو جاتا ہے اور ایک خاص قتم کی زندگی ان کومل جاتی ہے جو عام
مردول میں متاز حیثیت کی ہے۔ وہ زندگی کیسی ہے؟ اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہ کوئی جان سکتا ہے

ر اور نہ ہی جاننے کی ضرورت ہے۔ (معارف القرآن)









# تعارف وتنجره

نام كتاب : حج وعمره كي آسانيال

مؤلف: يروفيسرڈ اکٹرفضل الہی

ضخامت:400صفحات قیمت:320رویے

طنے كا ية: ته دارالنور كيبيٹل بلازه كى -II مركز اسلام آباد

🛠 مکتبه قد وسیهٔ رحمٰن مارکیث غزنی سٹریٹ ٔ ارد و بازار ٔ لا ہور

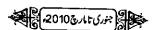
کتاب کے مصنف پر وفیسر ڈاکٹر فضل الہی کی تعارف کے عتاج نہیں ، وہ معروف نہ ہبی سکالراور محقق ہیں۔ '' جج وعمرہ کی آسانیاں'' اُن کی تازہ ترین ہیں۔ ان کی تحریریں ٹھوس اور مستند حوالہ جات پر بنی ہوتی ہیں۔ '' جج وعمرہ کی آسانیاں'' اُن کی تازہ ترین تصنیف ہے جس میں جج اور عمرہ کے لیے سفر اختیار کرنے والوں کی خوبصورت انداز میں رہنمائی کی گئ ہے۔ کتاب کی بنیا داس بات پر رکھی گئ ہے کہ خالق کا کنات انسانوں کے لیے آسانیاں پند کرتا ہے' جبیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿ يُورِيْدُ اللّهُ بِكُمُ الْمُعْسَرَ وَ لَا يُورِيْدُ بِكُمُ الْمُعْسَرَ ﴾ (البقرة: ۱۸۵)۔ نیز رسول الله کا گئے آئے اپنی اُمت کو آسانی کرنے کا حکم دیا اور تکی کر نے سے منع فرمایا۔ آپ تاکی گئے کا کا ارشاد ہے: (رئیسرو اور کلا تعیسرو اور نفرت ندد او''۔ (رئیسرو اور کلا تعیسرو اور نفرت ندد او''۔

جج اور عرے کی ادائیگی میں جہاں جہاں آسانی ہے اس کتاب میں اس کو واضح کیا گیا ہے تا کہ اس مقدس سفر پر روانہ ہونے والے ان سہولتوں سے واقفیت حاصل کرے فائدہ اٹھا سکیں اور سجے طریقے سے تمام معلومات بنیا دی طور پر قر آن وسنت سے لی ہیں۔ اس کے علاوہ صحاح ستہ کی احادیث اور مشند تفاسیر سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اختلافی مسائل میں قر آن وسنت سے ثابت شدہ دلائل کو ترجیح کا معیار تھر ایا گیا ہے۔ اس کتاب میں جج وعمرہ کی ادائیگی میں پیش آنے والے معاملات میں تیرہ عنوانات کے تحت ایک سوسے زیادہ تعداد میں آسانیاں بیان کی گئی ہیں۔

یں یرونوں کے اخیر میں مراجع اور مصادر کی مکمل اور مفصل فہرست دی گئی ہے تا کہ اصل ماخذ کی طرف رجوع کرنا آسان ہو۔ حج اور عمرہ کا ارادہ رکھنے والوں کے مطالعہ کے لیے بیا لیک ضروری کتاب ہے۔

مصنف نے ''مخضر حج وعمرہ کی آسانیاں'' کے نام ہے اس کتاب کا خلاصہ بھی شائع کیا ہے جو

چھوٹے سائز کے الے صفحات پرمشمثل ہے۔ 😂 😭



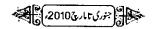




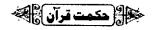
- 13. Majmu'a Tafasir-e-Farahi (author's translation from Urdu), Lahore, 1969, p. 350.
- 14. Grundlegung, 2: E.T. Abbot, p.46.
- 15. MacIntyre, A., After Virtue, Oxford University Press 1993.
- Kierkegaard, S. Concluding Unscientific Postscript, Princeton University Press, 1960.
- 17. Kierkegaard, S. The Sickness Unto Death, Harper Torch Books, New York, 1959.
- For a detailed discussion of the ethical thought of Kierkegaard see my book 'Kant and Keirkegaard—A Comparative Study', Caravan Press Lahore, 1983.
- 19. The Two Sources of Morality and Religion, Translated by R. Ashley Audra and Cloudesely Brereton, Garden City, Doubleday, 1956.
- 20. Ibid, p.89.
- A MacIntyre: Whose Justice? Which Rationality? University of Notre Dame Press. 1987.
- 22. Ibid, p.97.
- 23. His two book length studies on the moral philosophy of al-Farabi and Miskawaih have also been published from Aligarh (India).





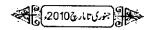




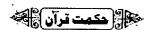


#### **REFERENCES & ENDNOTES**

- 1. This fact is amply borne out by a study of comtemporary Anglo-American analytical and linguistic moral writers e.g., Ayer, Hare, Toulmin, Stevenson, and others.
- 2. Emil Durkheim, the eminent sociologist, introduced the term 'anomie' which looms large among his many contributions. 'Anomie' means a condition of normlessness, a moral vacuum, the suspension of normative ethical rules, a state sometimes referred to as de-regulation.
- 3. Cf. Quranic verses 57:27, 3:105, 4:76.
- 4. Iqbal: Reconstruction of Religious Thought in Islam, Sheikh Ashraf Publisher, Lahore, p. 81.
- 5. Buber, Berdyaev, Paul Tillich and H.D. Lewis are some of the eminent contemporary philosophers who have written in this vein.
- 6. See Surah Al-Furgan verses 47-54.
- 7. Numerous excellent works of Jung, Erich Fromm and others amply prove this claim.
- 8. The parallelism between the Arabic words 'Birr' and 'Bahar' as used in Urdu also and the consequent sense of insecurity and discomfort experienced while indulging in immoral acts is supported by a great Quranic scholar, Imam Raghib. Cf.f his Mufridats, p.39.
- 9. The *nature* conceived by the Holy Quran is governed by a primordial, universal law which is fundamentally rational.
- 10. Here the Quran refers to ideal human nature, i.e., the nature bestowed on humanity by God at the dawn of creation. It is not the same thing as Rousseau and some other moralists speak of in terms of 'primitive' or 'original' nature, because their view does not go beyong the spatiotemporal dimensions.
- 11. Cf. Cicero: "True law is right reason in agreement with nature; it is of universal application, unchanging and everlasting; it summons to duty by its demands and averts from wrong doing by its prohibitions." (Republic, 3:22)
- 12. It would be too lengthy to cite here all the Quranic exhortations. However, we may recall a passage (4:36-8) in which it speaks of the social behaviour of the devoutly God-conscious man: "And serve God; ascribe no thing as partner unto Him: (show) kindness unto parents, and unto near kindred, and orphans, and the needy, and unto the neighbour ..... and the fellow-traveller and the wayfarer and the slaves whom your right hands posses."



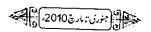




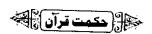
"One of the glaring defects of this (i.e. Greek) scheme was that religious virtues of Islam such as faith, trust, love and worship could not be accommodated in it. So they were either ignored or were placed where they did not belong... The real reasons why the Greek scheme of virtue could not express the entire gamut of Islamic virtues lay deeper in its concept of man. According to it, man was only a rational and a moral being. Keligion was not a part of his essence, and hence religious virtues could not be treated as a separate class. Muslim philosophers were not able to discern that fact. The only person who realized it was Shah (d.1176/1762). Consequently he discarded the Greek scheme of virtue and worked out a different scheme. In place of wisdom (hikmah), courage (Shuja'ah), temperance ('iffah) and justice (Adalah), he proposed the virtues of purity (taharah), reverential submission (ikhbat), magnanimity (samahah) and justice (adalah).... What I want to underline is the fact that Shah Wali Allah realized that justice would not be done to the religious dimension of Islamic life unless its independence was recognized and religious virtues were given a place equal to other virtues."23

Endorsing Dr. Ansari's main contention, however, my considered view is that there are many notions in Greek and medieval European (especially Thomistic) philosophy which can be used by Muslim thinkers to make their own moral concepts meaningful and appealing to modern minds, e.g., bonum honestum of Aristole's ethical theory which stands for the unity of the good, the right, the beautiful and the noble, and the concept of natural law in ethics developed particularly by the medieval theologians.

In conclusion I wish to express my hope that the present paper will play at least some role in awakening the interest and directing the attention of Muslim philosophers to re-understand their ethical theory in its pristine purity and reconstruct it in modern terminology. For this they have to reject the dominant Western *episteme*. Moreover, being at a vast distance away from the times of the Holy Prophet (SAWS) they have to do, to use Foucault's term, a lot of archaeological work in order to unravel and dig out moral ideas that were silenced from accumulated and limiting patterns of knowledge or from constrictions placed by modern culture and society. In short, Islamic moral philosophy needs a reorientation through which it could rediscover itself by rediscovering its realist and cosmic character and the primary truths on which it rests in the human spiritual core.

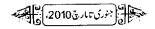






from pressure and that which proceeds from aspiration. Pressure comes from social formations and from the law of fear to which the individual is subject with regard to the rules of life imposed by the group and intended to assure its preservation, and which seeks only to turn to the routine and ferocious automatism of matter. Aspiration comes from the call of superior souls who commune with the elan of the spirit and who penetrate into the infinitely open world of liberty and love, which transcends psychological and social mechanisms. To this law of pressure and 'his law of aspiration are linked two quite distinct forms of morality: closed morality, which, to put it briefly, is that of social conformism and open morality, which is that of saintliness. Without necessarily affirming Bergson's extravagant claims like 'there can be no question of founding morality on the cult of reason,20 we owe him a special debt of gratitude as one can get a lot of inspiration from him. Islamic morality, being an open morality in the Bergsonian sense, is not one of constraint or coercion but one of aspiration and attraction towards a transcendent goal. It is thoroughly permeated by the highest aspirations and ideals: love (and not just fear) of God and the highest social objective of establishing a worldwide order of social and economic justice and equity-nizam-e-adal-oqist-in the terminology of the Quran. In short, individual piety and rectitude on the one hand, and social laws and dynamism on the other, are rolled into one harmonious whole in the Islamic ethical perspective. And there is no need to feel embarrassed about state laws and punishments either, as the reassurance comes from the West from no less an academic philosopher than Alasdair MacIntyre. In his latest book Whose Justice? Which Rationality?21 he announces that he is now an Augustinian Christian. For him, a good tradition is "more than a coherent movement of thought"; it must display self-awareness in its confrontation with challenges both from adherents and opponents. But Catholic norms, as MacIntyre's account unfolds, also derive their status from the political authority of the Church, which imposes agreement concerning basic principles, subduing the disobedient human will. "Men need control and restraint", he writes, "if any measure of justice or peace is to be attained and preserved". 22 And he also clearly approves of the inculcation of such agreements through a system of education controlled by religious authority.

From amongst the few contemporary Muslim thinkers writing on Islamic ethics Prof. Dr. Abdul Haq Ansari is a scholar who fully realized the limitations of Greako-European thought in appreciating the Islamic vision of morality and virtue. He writes:

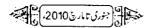




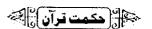


notion of "the individual before God" for Kierkegaard as he says: "Only when the self as the definite individual is conscious of existing before God, only then is it infinite self" (The Sickness Unto Death 17 p.211). Yet by virtue of the very fact that his introverted thought was wholly centered in his own subjectivity and his own unique and quite eccentric singularity, he entirely missed the importance of the so-called concrete universal. 18 On the other hand, even though Islam emphasizes the category of the individual, this is not to say that it denies the world of social ethics and the value of the general law; it tells us that the law is good and that what is asked of man is to interiorize it through conscience and thus to make his singularity coincide with the general. Obligation-inconscience, according to Islam, is an absolutely primary and absolutely irreducible datum of moral experience; yet it is often missed completely by modern philosophical reflection. The authentic absolute value of acts in Islam consists in purity of heart (to use Kierkegaard's words) and sincerity of purpose which can be none other than salvation and eternal bliss in the hereafter. What we are made to understand is that the fact of being face to face with God-the belief in accountability-is the heart of all moral life and every authentically moral decision; that the more the moral life and moral experience deepens and becomes genuine, the more they are interiorized and spiritualized, and by the same token liberated from servile conformity to the socially customary. In its societal and collective dimension, the ethical basis of Islam can be extended beyond law and turned into a dynamic problem-solving methodology: indeed it can be turned into a pragmatic concern. The supplementary sources of the Islamic Shariah as istihsan, that is prohibiting or permitting a thing because it serves a useful purpose, istislah or public interest, and urf or custom and practice of a society need to be explored in greater detail in order to resolve further the tensions of internalized ethics and externalized law and to give the Muslim state and polity a more egalitarian stance.

Some Muslim philosophers evince clear symptoms of inferiority complex with regard to their faith and moral norms and consequently adopt a rather apologetic approach in defending them. They quite wrongly think that Islamic morality is a strictly rigid and closed morality. Here I only wish that they realize as to how radically different is the use of 'open' and 'closed' in the treatments of Bergson and Karl Popper and that they need not be swayed by the Popperian sense of these terms, I shall here briefly pause to elaborate my submission. The fundamental theme of Henry Bergson's *The Two Sources of Morality and Religion* <sup>19</sup> is the distinction and opposition between that which in moral life proceeds

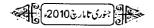




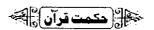


the good life (al hayat al tayyiba). Islamic ethics is deeply rooted and firmly anchored in the ethos of Islam as conceived in the Quran and elaborated in the Sunnah of the Prophet. It is not just a simple system of moral philosophy; we understand nothing of its true significance if we take it for philosophical theory in the ordinary sense. In the Islamic perspective moral philosophy is not just an ethics, but a super-ethics and the aim is not merely to chart out the guiding principles of an upright human life, but in a single leap to reach the supreme end and supreme happiness, the ihsan state of perfect virtue. It is both a practical guidance for life and an itinerary of spiritual direction. The authentic Islamic moral philosophy does not remain pure moral philosophy and must enter into communication with a world of human data and aspirations more existential than that of empty and sterile philosophy isolated within itself. Moreover it lays full emphasis on the spiritual means of contact between God and man, between Higher Reality and normal day-to-day existence. In Islam faith has thus a different form of rational and different modus operandi. Moral behaviour and ethical virtue is assigned the pivotal role in the epistemology or noetic structure of Islam. Many verses of the Holy Quran, particularly of Meccan Surahs emphatically state that a morally wicked person cannot attain true knowledge. Good deeds and virtuous life have been declared the veridical signs of true and genuine religious belief and faith. An oft-quoted saying of the Holy Prophet (SAWS) totally negates iman i.e. true Islamic belief and faith, in a man who tells lies, does not keep promises, coinmits embezzlement, and becomes quarrelsome while in rage. These points clearly show that Islamic ethics can be appreciated in an intellectual context and atmosphere quite different from the one prevalent in contemporary Western academic world. West's intellectual and cultural imperialism in the recent past have clearly overtaken many Muslim scholars and intellectuals and it is time that they develop a critical attitude towards it. They should have a greater and clearer perception of the truth that in the Islamic tradition ethical behaviour both cures the human soul and opens it up for metaphysical knowledge: gnosis or ma'rifa.

As is generally known by the academia, the question of the distinction between, and relative importance of, the individual and the society has been a thorny issue in ethics and social philosophy. In the European thought of the recent past Soren Kierkegaard has usually been taken as the champion of the singular. Quite in conformity with the Quranic teachings, he asserts in the *Concluding Unscientific Postscript*<sup>16</sup> (p.280): "The only reality that exists for an existing individual is his own ethical reality". Again there is good reason to insist on the importance of the





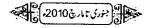


the direct commands of God revealed in the Quran. The moral precepts of the Quran and scientific/psychological knowledge of the universal needs and tendencies of man, provide complementary rather than competing standards of ethical judgement. Good as fulfilment of genuine natural tendencies is subordinated to attaining God's pleasure, or to use a philosophical expression—eternal beatitude—the fulfilment of the aspirations of the virtuous soul. The notion of righteousness that is the pride possession of a Muslim is the ever-present sense of moral responsibility, an inner calling that is both intimately personal and ineluctably trans-institutional.

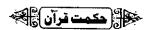
### **Epilogue: Contemporary Scene**

Barring a few exceptions, almost all writers and scholars seem to present Islamic ethics mainly in Greek or in Western-Christian categories and therefore fail miserably to lay bare the essential nature and elan of Islamic ethics. It is now widely acknowledged that traditions are embodied in languages and conceptual schemes that cannot be neatly translated into another, that traditions carve up the world of experiences somewhat different ways. Not to speak of inter-traditional perspectives, philosophers are sometimes at cross purposes even at intercultural level. For example, in his influential book After Virtue15 (1981) Alasdair MacIntyre has argued that the language of contemporary ethical debate is in hopeless disorder. Lacking the firm guidance of shared agreements about moral standards, lacking even a common moral language, we argue past one another, MacIntyre claimed, hurling at our opponents uprooted fragments of once vital ethical traditions. We do not realize that our arguments and the terms we use to make them are rootless, lacking connection to traditional beliefs and stories that alone give the moral terms a life of meaning. To my mind, the conception of morality which one finds discussed in contemporary Anglo-American treatises is the most superficial and the most inexistential one. Concepts and ideas are discussed and analysed at the most exteriorized level of ordinary moral life and the same cavalier approach is reflected in the majority of studies dealing with the Islamic moral philosophy. As is borne out by naive and superficial examples of hockey game and chess playing, Modern European moral philosophy, I regret to say, concerns itself with infra-morality of the social order and totally rejects the foundational morality of the inner conscience as well as the supramorality of mystical order and creative love. Islam indeed, on the contrary, firmly stands for their mixture and inter-penetration.

Based on the twin sources of the Holy Quran and the Prophet's Sunnah, Islam presents a doctrinally articulated philosophy of moral virtue and





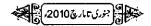


discrimination between good and evil. Quranic theology has dealt with the problem of the concrete moral decision in terms of the doctrine of the divine presence. The sense of "Divine Presence every-where" opens man's eyes and ears to the moral demand implicit in the concrete situation. Tables of laws can never wholly apply to the unique situation. Belief in God, on the contrary, opens the mind to these potentialities and guides decision in a particular situation.

The plural nominative of 'saleh' used in the Quran is 'salehat'. it means good deeds. Its semantic constitution contains emphatic reference to belief in God, prayer, and good will and love for humanity. However, the practice of salihat is repeatedly joined to Faith. Thus this term connotes 'faith expressed in outward conduct'. If we take into consideration the facts of human psychology in reference to the proper realization of the moral ideal, we are bound to hold to the Quranic view that some desires deserve to be suppressed, some to be moderated, and some to be encouraged and enhanced, ultimately subordinating all to the spiritual yearning of obtaining Divine Pleasure—keeping the sense of duty always dynamically alive and the action entrenched in the purest motivation. In this sense, the soundness of the Quranic view is self-evident even though certain religions like Budhism, and certain great moral philosophers like Kant are opposed to it. For instance, maintaining that all desire is bad, Kant says: "The inclinations themselves being sources of want, are so far from having an absolute worth for which they should be desired, that on the contrary it must be the universal wish of every rational being to be wholly free from them". 14 Schopenhauer rightly terms Kant's view as the 'apotheosis of lovelessness', because in Kant's estimation even the most unselfish acts of benevolence towards, and love for, other human beings lose all their moral worth unless inspired by pure sense of duty and unless emptied of all desire to be benevolent towards fellow-beings. According to the Quranic view, on the other hand, neither desire as such, nor the higher desires that relate to high and noble ends, are condemned. Only the desires relating to the unregulated instinctive urges, called hawa in Quranic terminology, are subjected to moral disapproval.

#### Conclusion

In the foregoing pages I have discussed in detail the Islamic notion of ethical virtue as depicted in the two Quranic locutions—Birr and Saleh. Islam identifies virtue with good works based on religious beliefs. As such, morality is an inner quality, a property of motive or intention rather of mere consequences or outward form of one's actions. On this view, the promptings of informed reason and moral conscience represent an inherent tendency in the truly authentic nature of man, and the conformity to this nature fulfils both the cosmic plan of the Creator and





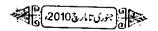


Quranic moral imperative, in this sense, is the demand to realize one's ture nature actually which he has potentially. Every act is a morally good action in which an individual self establishes itself as a true person. In this way, a moral act is not an act in obedience to an externally imposed law; it is the inner law of our true being, of our essential nature. Conversely, an antimoral act is not the transgression of one or several prescribed commands, but an act that contradicts the self-realization of the person as a person and drives towards disintegration— 'fasad' in Quranic usage. It disrupts and corrupts the centredness of the person by giving predominance to degenerate passions, desires and cravings. And when this happens, the self as an active being is split and the conflicting trends make it their battlefield. The 'will', in the sense of a self that acts from the centered totality of its being, is enslaved. Freedom is replaced by compulsion. The voice of man's essential and true being is gradually silenced until it reaches a state of total depersonalization, described by the Quran as the state in which:

"God hath set a seal on their hearts and on their hearing, and on their eyes is a veil; great is the penalty they incur." (2: 7)

One cannot discard the moral imperative itself without the self-destruction of one's essential nature and one's manifold relationships. Moreover, the Quranic word 'amal' too is very significant. The two locutions 'action' and 'activity' are both generally taken to convey the sense of the Arabic word 'amal'. But there is a subtle difference in their connotation. Any kind of movement or work can be called activity, but the word action usually implies some strenuous or arduous task and it, as such, better expresses the meaning of 'amal'. By combining the connotations of 'saleh' as explained above and that of 'amal', we would realize that the real significance of this term is: it is necessary for man to put up a hard struggle to achieve that real goal for which he was potentially created, and he has to ascend certain heights to attain that goal. All this is conveyed by the comprehensive word 'Amal Saleh'.

The basic and poignant concern of the Islamic faith is to point to, and overcome, the crisis of our age—the crisis of man's separation from man and of man's separation from God. Islam recognizes that human morality and human ideals thrive only when set in a context of a transcendent attitude. A religious person commands a depth of consciousness inaccessible to the profane man. The Quran emphasizes the moral dynamic of man. Its image of man as the vicegerent of God on earth, Homo cum Deo, implies the hightest conceivable freedom, the freedom to collaborate with the very creative process. This image implies further that the intellect and conscience are capable of making genuine







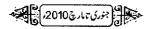
the moral tone underlies all the passages of the Quran and the moral teachings are repeatedly stressed in various contexts throughout the Holy Book. Every Quranic moral principle is mentioned either as a single significant principle or as an element of a total system of morality, which itself is an element of a complete religious supersystem. The basic morals of the Quran are meant to help the individual to develop his personality and cultivate his character in the most wholesome manner, to strengthen his bonds and consolidate his association both with the Creator and the creatures. The Quranic ethic is not simply an abstract ideal conceived just for nominal adoration or a stagnant idol to be frequented by admirers every now and then. It represents a code of life, a living force manifest in every aspect of human life.

### 'Amal Saleh'

Understanding the Quranic term 'Amal Saleh'—righteous or good deeds—requires deep thought and reflection. The Quran includes under this blanket term all its moral and spiritual teachings including the laws of individual and social conduct. It also makes an allusion to the fact that the secret of man's real development and progress lies in performing these very acts. Righteous deeds alone can guarantee the growth of man's natural capacities and potentialities on the right lines. To quote Maulana Farahi, an eminent scholar, on this point:

"Almighty Allah has designated good and righteous deeds with the word 'Salehat'. This term itself guides us to the great truth that the whole of man's development and rectitude—be it outward or inner, wordly or spiritual, personal or collective, bodily or intellectual—depends upon good and righteous deeds. Righteous action is life-giving and a source of maturity and enhancement. By means of good deeds alone man can attain those highest stages of development to which he aspires while sticking to his true and ideal nature ....This point can be put alternatively thus: Since man is an integral part of the total scheme of universe, only those of his deeds will be righteous which accord with the grand design on which the universe has been fashioned by its Creator." <sup>13</sup>

These ideas can be explained philosophically thus. Man, like any other being, has environment; but in contrast to brute animals, he is not bound to it. He can transcend it, in imagination, thought and action. His encounter with any of the objects and situations surrounding him is always active and creative. Such an encounter presupposes ability to transcend and overcome both psychological inclination and outer compulsion, the ability to see the universal within the particular. The







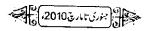
negated in respect of a particular type of action performed ritualistically. Whereas the positive declaration starts with the words 'righteous is he ......' or 'righteousness is of that person ....'

Matter (or desire) is not an antidivine principle from which the soul has to be liberated. Islam leads man towards a consciousness of moral responsibility in everything he does, whether great or small. The well-known injunction of the Gospel: 'Give Caesar that what belongs to Caesar, and give God that what belongs to God' has no room in the ethical structure of Islam, because Islam does not allow a differentiation between the 'moral' and 'practical' requirements of our existence. Hence the intense insistence on action as an indispensable element of morality. Moral knowledge, according to the teachings of the Quran, automatically forces a moral responsibility upon a man. A mere Platonic discernment between right and wrong, without the urge to promote the right and to destroy the wrong, is a gross immorality in itself.

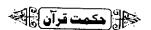
Moral righteousness, according to the Quran and the teachings of the Holy Prophet (peace be upon him), is an organic whole. Every single element of it appears living and meaningful when intact with the basic underlying grid, the life impulse of 'iman'. When we take out a part, we negate and nullify the entire edifice of righteousness. To pass a moral judgment on a man, we shall have to take into account his total behaviour, character and beliefs, not just a few discrete actions.

The Quran places equal emphasis on the sensate and the transcendental yearnings of man, and harmonises them; and thus it lays down for humanity a comprehensive ideal which consists in the cultivation of: (i) Piety based on a dynamic, vibrant and living faith in God, an earnest and courageous pursuit of Truth, and an ever-present consciousness of Final Accountability; (ii) sound and comprehensive Morality; (iii) social, economic and political Justice; and, finally, Knowledge in all its dimensions,—all of these resulting in the conquest of harmful and vicious propensities within the individual, the conquest of evil within the society, and the conquest of the treasures of physical environment or Nature. In the pursuit of this Ideal, moral virtue, love for humanity, truth, justice, beauty, discipline and progress are the watchwords, while the concept of Unity permeates the entire movement towards the Ideal.

The range of morality in Islam is so inclusive and integrative that it combines at once faith in God, religious rites, spiritual observances, social conduct, decision making, intellectual pursuits, business-transactions, habits of consumption, manners of speech, and all other aspects of human life. Because morality is such an integral part of Islam,





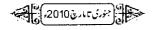


members of the society and one's relations have a natural right of protection and support, so that mere lack of opportunity may not ruin their general welfare. In order to emphasise the importance of benevolence and kindness in the moral life, Quran projects them into the very being of God. "Be good to others as God is good to you" (28:77). God, according to the Quran, is just, merciful and kind. It is this benevolence or 'ihsan' which helps to bring about greater cohesion, greater harmony, and greater cooperation among members of a society.

Practical deeds of charity are of value when they proceed from the love of God and from no other motive. In this respect also we must stick to the logical order mentioned very elaborately in the above quoted ayah 'Birr': our kith and kin; orphans (including any persons who are without support or help); people who are in real need but who never ask (it is our duty to find them out, and they come before those who ask); the stranger, who is entitled by laws of hospitality; the people who ask and are entitled to ask, i.e., not merely lazy beggars, but those who seek our assistance in dire necessity in some form or another, (it is our duty to respond to them); and the slaves, (we must do all we can to give or buy their freedom). Moreover, charity and piety in individual capacity do not complete the moral obligation. Both in prayer and charity, we must look to our organised efforts as well. Where there is a Muslim state, these are made through the state, facilities for public assistance, and for the maintenance of contracts and fair dealings in all matters. Indeed, according to the Quran, actual generosity and compassion is a duty to others. But the cultivation and maintenance of the spirit and the attitude of generosity is a duty towards self because of the purity and enrichment that it acquires thereby. It is this spirit and this attitude that have been emphasized together with actual benevolence in the above quoted verse.

### A Whole Life-Pattern

A very important truth that one gets from a perusal of the above 'Ayah Birr' is that the Quranic definition of moral righteousness and virtue depicts a whole life-pattern that may not be reduced or adulterated. According to the Quran, moral behaviour is essentially a function of the total human person or spirit. And by 'spirit' the reference is here to the dynamic unity of body and mind, of vitality and rationality, of the emotional and the intellectual. In every function of the human spirit the whole person is involved, and not merely one part or one element. All elements of man's being participate in every moral decision and action. In this sense righteousness admits of no division: it is an expression of the total personality of a man. This becomes clear when we concentrate on the first part of the verse in which moral worth or value has been







authority can only be the authority of God. For the Muslim, the intermediary between man and God is righteousness. And Islamic *Sharia* is the supreme expression of that righteousness. Being of divine origin should not be taken to mean, according to the Quranic teaching, that the Divine Law is foreign to the nature of man and is merely thrusted from outside on him by God to be obeyed. Rather, it is simultaneously the 'Divine Law' as well as the 'Law of ideal Human Nature' and constitutes therefore the very behest of the higher human self.

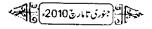
The identity of the 'Divine Law' and the 'Law of the ideal Human Nature' has been explicitly proclaimed thus in the Quran:

"So set thy purpose for religion as by nature upright—the nature (framed) of Allah in which He hath created the human beings. 10 There is no altering the laws of Allah's creation. That is the right religion, but most men know not". 11 (30: 30)

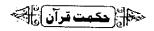
Here it should be noted that the 'ideal nature' is the same, and has been always the same, in all human beings, of whatever race or tribe or country. This is implied in the fact that Divine Law relating to the 'ideal nature' has been revealed to all the communities of the world at one or the other period of human history. As a matter of historical fact, it is confirmed by the observation that basic moral concepts have been the same in different civilizations and different ages—their apparent differences consisting basically in the imperfect understanding of those concepts, or in their application to concrete problems of life.

## Benevolence—The Foremost Moral Virtue

We must clearly appreciate the true connotation of the word birr or righteousness in the light of the above quoted Quranic verse. A righteous or moral person, accordingly, is not one who offers suprarogatory prayers or engages in sufi practices or meditation. Rather, a righteous person is one who is benevolent and compassionate to others. An inconsiderate, cruel and miser person thus cannot be a morally virtuous man. The natural outcome of faith and belief in the unity of God is the love of creation. 12 The essence of Islam is to serve Allah and do good to one's fellow creatures. This is wider and mere comprehensive than 'Love God and love your neighbour'. For it includes duties even to animals as our fellow creatures, and emphasizes practical service rather than mere sentiment. Kindness and humane treatment of those who are dependent on us, love to our neighbours and children are essential according to the Quranic moral law. It is this element of loving-kindness which helps sustain the poor and unfortunate sections of society at par with the rich. It is this moral provision which cuts at the root of class struggle. The poor







shore after a long sailing in rough seas, he feels a great relief. He is never sure of his safety in the ocean, but he feels sure-footed and comfortable when he has landed on the ground. This very sense of righteousness (or charity) has been beautifully conveyed thus by the Prophet's saying:

"Give up whatever pricks your heart." (al-Bukhari)

The moral act as the self-actualization of the centred self or the constitution of a person as a person, has analogies in the living beings. The analogy to the diminution or loss of centredness is the psychosomatic phenomena of disease. The analogy between the antimoral act and bodily disease is in many cases more than analogy. The Quran also employs this and calls an immoral act the symptom of a diseased and morbid heart. In other words, the process of self-integration is continuously combated by movements towards disintegration. This means that the moral act is always a victory over disintegrating forces and that its aim is the actualization of man as a centered, composed and healthy person.

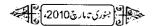
In Islam, man by nature (i.e. *fitrah*) has an awareness of the universally valid moral norms. To every man this awareness is potentially given, even though actually distorted by culture, education, and his existential estrangement from his true being. The Divine Law is creatively present both in the laws of nature and in the natural moral laws of the human mind. A man, who performs morally vicious actions, feels a consciousness of estrangement from, and contradiction of, his essential being. According to the Quran, the original nature of man is essentially good. Contrary to the Christian idea that man is born sinful, or the teachings of Hinduism that he is originally low and impure, the Islamic teachings contend that man is born pure and in the best of mould. The Quran says:

"Surely We created man in the best structure." (106:4)

but in the same breath the verse continues:

"...and afterwards We reduced him to the lowest of low; with the exception of those who have faith and do good works..." (106:5-6)

Thus, according to the Quran, evil never is essential or even original; it is a later acquisition and is due to a misuse of the innate, positive qualities with which God has endowed every human being. The moral law, as distinguished from the political law, is surely a law that our own moral consciousness—our own conscience, and not any other factor, should make us incline to obey. It should form the behest of our higher self. Yet moral law should not be accepted as merely self-imposed, because the self can also dispense with it even as it can impose. Consequently it should be combined with the element of absolute authority, and such an





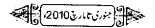


inside and outside life, to his individual and social affairs. When the Islamic principle of righteousness is established, it provides the individual with peace in all circumstances, the society with security on all levels, the nation with solidarity, and the international community with hope and harmony. How peaceful and enjoyable life can be when people implement the Islamic concept of righteousness!

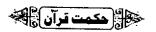
According to the latest researches of psychologists, human moral character is a system of such beliefs and convictions that guide the actions of an individual and distinguish him from other.7 Actions are caused by motives. The sources of motives are thoughts and beliefs which a man acquires from the experiences of his life, his education and other sources as well. The knowledge provided by the Quran or "scientia intuitiva" is the certain knowledge that there is no object worthy of adoration or ideal to be pursued save God. The believer turns to God as his only point of reference and approaches Him in joy or sorrow, hope or fear. A true Muslim's faith in God is not merely a matter of verbal profession, he must realise the Presence and Goodness of God. When he does so the scale fall from his eyes; all the falsities and glittering nature of the material existence cease to enslave him: he sees God's working in His world and in himself. Once a man is emancipated from everything but God, he arrives at a stage of development where he feels perfect repose. He finds his Lord as all loving and all merciful. He sees God's wisdom at work everywhere and becomes his instrument of action in every sphere of life. Inspired by the idea that God is sufficient unto him, he moves to action. Freed as he is from fear, he ventures on every virtuous action and meets with success. The energizing words of the Quran which declare that the entire heavens and earth are made subservient to him ring in his ears and encourage him. Egotism, lust and greed touch him not, and he moves forward by the dynamic force of the Quranic message of peace, equality and fraternity.

## "Birr" or Personal Centredness of a Person

The term 'Birr' (2.) is derived from the root (2.2.) which means godliness, righteousness, probity, kindness, charitable gift. The semantic constitution of this term seems to be similar to that of 'salih' which I shall discuss in the later part of this study. A very important clue to the subtle meaning of this word is provided by concentrating on another meaning of this word and contrasting it with its opposite, viz., land or ground and ocean. In this sense these locutions are also used in Urdu: 'barr' and 'bahar' 8 it is common knowledge that when a person sets his feet on







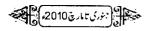
observances to the total neglect of their inner spirit and meaning. Quite understandably many people, as a reaction to the ritualistic soulless moralism of religious people, turn to secular ethics. Islam, on the other hand, always warns against superficial concepts and rituals, against lifeless formalities and non-effective beliefs.

The concept of morality in Islam centres around certain basic metaphysical beliefs and principles. Among these are the following:

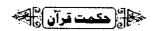
- 1. God is the Creator and Source of all goodness, truth and beauty.
- 2. Man is a responsible, dignified, and honorable agent of his Creator.
- 3. By His Mercy and Wisdom, God does not expect the impossible from man or hold him accountable for anything beyond his power. Nor does God forbid man to enjoy the good things of life.
- 4. Moderation, practicality, and balance are the guarantees of high integrity and sound morality.
- 5. Man's ultimate responsibility is to God and his highest goal is the pleasure of his Creator.

The dimensions of moral righteousness in Islam are numerous, far reaching and comprehensive. The Islamic morals deal with the relationship between man and God, man and his fellow-men, man and other elements and creatures of the universe, man and his innermost self. A Muslim has to guard his external behaviour and his manifest deeds, his words and his thoughts, his feelings and intentions. In a general sense, his role is to champion what is right and fight what is wrong, seek what is true and abandon what is false, cherish what is beautiful and wholesome and avoid what is indecent. Truth and moral virtue are his goal. Humility and simplicity, courtesy and compassion, are his second nature. To him, arrogance and vanity, harshness and indifference, are distasteful, offensive, and displeasing to God.<sup>6</sup>

In the verse quoted above there is a comprehensive and clear description of the righteous man. He should obey all the salutary regulations, and should make his sincere motive the love of God and the love of his fellow-men for the sake of God. Here we have four elements of righteousness: (a) One's faith should be true and sincere, (b) one should be prepared to show it in deeds of charity and kindness to fellow men, (c) one must be a good citizen by supporting charitable institutions and social organizations, and (d) one must be steadfast and unshakeable in all circumstances. It is clear, therefore, that righteousness is not merely a matter of void utterances, it must be found on strong Faith and constant practice. It must cover the person's thinking and action and extend to his







attracting rewards and the pleasure of God. Good morals in Islam are divine attributes and it is demanded of us to recreate them in ourselves as far as our humanity allows. A tradition of the Prophet (peace be upon him) says:

"Let the virtues of God by your virtues." (al-Bukhari)

(j) From the concept of normative or exemplary conduct there follows the concept of standard or correct conduct as a necessary complement. Righteous behaviour, in Islam, is formalized by the Prophet's example, his 'Sunnah'.

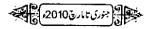
In the behavioural pattern of the Prophet (peace be upon him) righteousness and virtue appear in an embodied form. An abstract passion for piety and righteousness may assume devilish form and proportion and eventually end up in something vicious and degenerate. The sense in which *sunnah* is a straight path without any deviation to the right or to the left also gives the meaning of a 'mean between extremes' or the 'middle way'. The Prophet's life provides perfect answers to the questions: 'What are the undesirable extremes in human dispositions?' and 'What is the golden mean that secures the highest good attainable?'

### 'Birr' or Righteousness

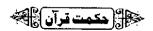
Among all the ethical terms used in the Quran such as 'Ihsan', 'Sidq', 'Adl', 'Khair', 'Ma'ruf' the most comprehensive and perhaps the most representative of an ideal moral action is the term Birr, which will be discussed here not so much in its semantic meaning but in its broader sense in which it is used in the Quran as the definition of ethical virtue and moral righteousness. Let me quote the English translation of the verse 177 of Surah al-Baqarah in which this is explicated at length:

"It is not righteousness (Birr) that you turn your faces towards the East and the West, but righteous is he who believes in Allah, and the Last Day, and the angels and the Book and the Prophets, and gives away wealth out of love for Him, to the near of kin and the orphans and the needy and the wayfarer and to those who ask, and sets slaves free and keeps up prayer and pays the alms (Zakat); and those who honour or fulfil their contracts when they make a contract, and remain patient in distress and affliction and in the time of panic and conflict. These are they who are truthful and these are they who are God-fearing."

In the first part of this verse a particular view of moral rectitude and righteousness has been negated, that of pure formalism and ritualism. Some devoutly religious persons exhibit this attitude when they assign utmost importance to outward appearance of moral and religious







The teaching of the Quran, which stands for the possibility of improvement in the behavior of man and his control over natural forces, is neither pessimism nor optimism and is animated by the hope of man's eventual victory over evil." Earthly life is of tremendous value; but it is of a purely instrumental value. In Islam there is no room for the materialistic optimism of the modem west which says:

"My Kingdom is of this world alone."

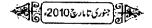
The Quran teaches us to pray:

## رَبُّكَأَ اتِّنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْأَخِرَةِ حَسَنَةً

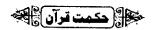
"Our Lord! give us the good in this world and the good in the Hereafter." (2: 201)

Thus the full appreciation of this world and its goods is in no way a handicap for our religio-moral endeavours. Material prosperity is desirable, though it is not a good in itself.

- (h) Morality, culture and religion, according to some influential theological ethical philosophers who agree with the Quranic approach, are the three functions of the human spirit. None of these functions of the spirit ever appears in isolation from the other two. The moral imperative, in so far as it has an unconditional and self-transcending character, assumes a religious dimension. A decision or action is moral only when it spring from the 'pure ought to be' of the moral imperative. In this way not only the content but also the unconditional character of the moral imperative would have to be sanctioned by a divine command.
- (i) Islam is not only a spiritual attitude of mind or a code of sublime precepts but a self-sufficing orbit of culture and a social system of well-defined features. In fact, it is an all embracing code of life establishing, on a systematic and positive base, the fundamental principles of morality and precisely formulating the duties of man not only towards his Creator but towards himself and towards his fellowbeings. It offers a complete coordination of the spiritual and material aspects of human life, lays down a practical code and demands a righteousness well within the realm of practicability. It does not subscribe to materialistic trends but rouses in man a consciousness of moral responsibility in everything he does. There is no sphere of life, no conscious activity of man, which may be outside the pale of Islamic morality. If it falls in line with the divine prescriptions and the ethical code, almost every temporal act is given a spiritual touch and raised to the status of worship (Ibadat),

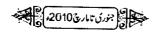




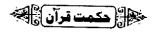


- d) In Islam, the first and foremost goal is the inner, moral progress of man, and therefore the ethical considerations overrule the purely utilitarian. In the contemporary world the situation is unfortunately just the opposite. The consideration of material utility and physical comfort dominates all manifestations of human activity, and ethics are being relegated to an obscure background of life and condemned to merely a theoretical position without the slightest power of influencing the human community.<sup>1</sup>
- e) Ethics constitutes an essential aspect of man's intrinsic nature: it is part of his ontological substance. The sense of right and wrong fulfils a psychical demand emanating from a man's inner being, just as water and air fulfil our basic needs for physical existence. The inner non-corporeal component of man—the spiritual core or soul—requires nourishment through gratification of its moral demands. In this sense, some conception of moral righteousness or piety is inalienable from human life. On deeper analysis it would become clear that even socially undesirable elements have a sense of righteousness and observe a code of ethics to gratify it. Pace Durkheim, a minimal sense of ethics (good, virtue) is unavoidable, and hence his notion of 'anomie' or a state of normlessness is a pure fiction.<sup>2</sup>
- f) The ultimate justification of morals depends on the idea of man's intrinsic aim, the *telos* for which he is created. If the aim implies something above finitude and transitoriness, the fulfilment of this aim is infinitely significant. When Plato said that the *telos* of man is 'to become as much as possible similar to the God', such a *telos* gives utmost depth to the moral imperative. Again, if the object of our life as a whole is the worship of God, then we necessarily must regard this life, in the totality of all its aspects, as one complex moral responsibility. Thus all our actions, even the seemingly trivial ones, must be performed as acts of worship.
- g) Disgusted with the Buddhist or 'Tayag' doctrine of pessimism that this world is full of evil and consequently no good can come out of it, some thinkers have taken refuge in the opposite extreme of optimism. The Quran, on the other hand, advocates neither the one nor the other.<sup>3</sup>

"To the optimist Browing", writes Allama Iqbal in his Reconstruction of Religious Thought in Islam, "all is well with the world; to the pessimist Schopenhauer the world is one perpetual winter wherein a blind will expresses itself in an infinite variety of living things which bemoan their emergence for a moment and then disappear for ever...





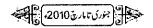


# ETHICAL VIRTUE IN THE QURANIC PERSPECTIVE

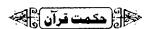
### Dr. Absar Ahmad

In this paper I intend to discuss briefly and schematically the question of moral virtue or righteousness with special reference to the words *Birr* and *Saleh* as the key ethical terms used in the Quran. It would, however, be helpful first to make a few general observations regarding the Quranic approach to human life and the importance of his moral endeavour.

- a) Islam, as every unbiased student of history knows, wrought an epoch-making and the most wonderful transformation in the laws of thought, principles of life and criterion of values of mankind. This much needed and most welcome revolution was based upon those fundamental principles which are, in reality, the raison d'etre of Islam itself, viz., God-consciousness, sense of human dignity and the moral principle of human equality.
- b) Atheistic ideologies and humanistic ethics believe in the possibility of a progressive moral improvement of mankind, in the collective sense, by means of their practical achievements and the development of scientific thought. The Islamic viewpoint is, however, diametrically opposed to this conception of human evolution. Islam has never accepted, as the secular utilitarian/pragmatic philosophies do, that the human nature—in its general supersensible sense—is undergoing process of progressive change in a similar way as a tree grows; because the basis of that nature, the human soul, is not a biological entity. Ethical matters, accordingly, are part of an ontology and not part of a sociology or 'social engineering'.
- c) Islam, being based on transcendental conceptions, regards the existence of a soul as a reality beyond any discussion. Though certainly not opposed to each other, material and spiritual progress are, according to the Quran, two distinctly different aspects of human life. They may exist side by side, and again they may not. While clearly admitting the possibility, and even desirability of material progress of believers, Islam clearly denies the possibility of moral and spiritual improvement of humanity by means of its collective material achievements.



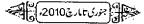




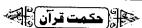
#### **Endnotes**

- [34] Ibn Abi Hatim 1: 402.
- [35] i.e. Afternoon prayer. Scholars have differed in this matter; some say it was the Asr prayer and not the Dhuhr prayer. Allah knows the best.
- [36] Presently this place is known as Masjid-ul-Qiblatain (or the Mosque with two Qiblahs), and is situated in Madinah, a few kilometres from Al-Masjid-un-Nabawi. It is one of the oldest mosques in the world and uniquely contains two mihraabs one in the direction of Bayt-ul-Maqdis (Jerusalem), and the other towards Makkah.
- [37] Tabaqat of Ibn Sa'd.
- [38] Fath-ul-Bari 13: 521, Musnad Ahmed 3: 138.
- [39] In Al-Masjid-ul-Haraam near Ka'bah, it is now a well which gushed out by Allah's Divine power in the form of a spring for the sake of Prophet Ismail (AS) and his mother. Water is still flowing out of it in immense quantity.
- [40] The meaning of these two names is explained in the beginning of surah Al-Fatihah.









إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُهُوْنَ مَا أَنَوْلْنَا مِنَ الْبَيِّلْتِ وَالْهُلْى مِنْ بَعْدِمَا بَيَّتُهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتْبِ اُولَيِكَ يَلْعَنُهُمُ اللهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعِنُوْنَ ﴾

(159) Verily those who conceal what We have sent down of the clear proofs and the guidance after We have made it clear for the people in the book to them curses Allah and curse those entitled to curse.

This ayah refers to the Jews who distorted their Books and hid the truth from their own common people. To maintain their fake superiority and popularity, they would approve corrupted and deviated beliefs and conceal the truth.

(160) Except those who repent and reform and make clear, those are the people I accept the repentance of; and I am the Acceptor of repentance, the Merciful.

The doors of Allah's mercy are always open to His servants. He always forgives one who repents and mends his erring ways and proclaims the truth as Allah (SWT) wishes it to be proclaimed. He is the Relenting One, the Merciful.

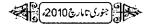
(161) Verily those who disbelieved and died while they were disbelievers, upon them is the curse of Allah, of the angels and of the whole mankind combined.

(162) Remaining therein forever, the torment would not be mitigated from them nor would they be given respite.

Those who persist with their disbelief till death will be deprived of Allah's mercy and have the eternal curse of Allah (swn), His angels and the believers till the Day of Judgment and after that their abode will be the Hell with its unbearable torment.

(163) And your Ilaah is one Ilaah (Allah); there is no Ilaah but He, The Most Gracious Most Merciful.

Allah (swn) is the only Deity worthy of worship. He has no partners or equals and He is Ar-Rahman and Ar-Raheem [40]—the Compassionate, the Merciful.







with loss of property, lives and fruits but give glad tidings to those who endure with patience.

Allah (SWT) tests His bondsmen through bounties as well as through calamities and afflictions, so that the earnest and sincere believers can be distinguished from those who lack in zeal and genuine belief. These trials present themselves in the normal situations of life – famine, losing friends and family, loss of wealth and property and loss of fruits i.e. sudden calamity in gardens and farms—and one has to realize in what manner one is being tested. One should face all eventualities by remembering Allah (SWT) and thanking Him in every situation. These trials provide the real test of life and the only way to succeed in them is to be patient and steadfast.

(156) Those who, when some calamity afflicts them, say: "No doubt we belong to Allah and unto Him we are to return"

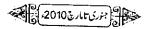
A believer is one who observes patience when he faces adversity, calamities and afflictions and knows that his body and soul belong to Allah (SWT) and that He will surely resurrect him on the Day of Judgment for recompense.

(157) Such are the people upon whom rest the blessings and mercy from their Lord and they are the guided-ones.

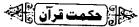
The believers who remember Allah (SWT) and thank Him even in the time of stress and afflictions will earn His blessings and mercy and Allah (SWT) guides them to the straight path.

(158) In fact Safa and Marwah are among the symbols of Allah. So whoever performs Hajj of the House or Umrah, there is no blame on him to circumambulate around them. And whoever does good voluntarily, verily Allah is Appreciative, All-Knowing.

Prophet *Ibrahim's* wife *Hajrah* (Hagar) ran between *Safa* and *Marwah* in search of water for young *Ismail* (AS) and pleaded to Allah (SWT) for help. Allah (SWT) answered her prayers and made the fountain of *Zamzam*[39] bring forth its water for her and her son. Allah (SWT) also laid down for all the Muslims to briskly walk or run between *Safa* and *Marwah* during *Hajj* and *Umrah* till the Day of Judgment.







(152) Therefore remember Me and I will remember you. And be grateful to Me and do not be ungrateful to Me.

Remembering Allah (SWT) means to remember His commands and Allah's remembrance of His bondsmen means His reward and forgiveness. There is a *Hadith* in which the Messenger of Allah is reported to have said:

"Allah, the Exalted says, 'O' son of Adam! If you mention Me to yourself, I will mention you to Myself. If you mention Me in a gathering, I will mention you in a gathering of the angels (or said in a better gathering). If you draw closer to Me by a hand span, I will draw closer to you by forearm's length. If you draw closer to Me by a forearm's length, I will draw closer to you by an arm's length. And if you come to Me walking, I will come to you running." [38]

It was mentioned in the introduction of Al-Baqarah that this surah can be divided into nearly two equal parts according to its subject matter. The first part which mainly addressed the Children of Israel ends here, and now the second portion of the surah begins in which Allah (SWT) addresses the believers, giving them instructions and directions that are essential for their training and to enable them to accomplish the duties of the position of leadership they have been entrusted with.

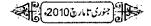
(153) O You who believe! Seek help through patience and prayer. No doubt Allah is with those who persevere.

For bearing the burden of the responsibility of religious leadership, Allah (SWT) directs the believers to seek help with prayer and patience. A prayer will train a person in discipline and other moral qualities while patience is needed to avoid sins and prohibitions and in performing acts of worship and devout servitude to Him.

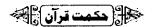
(154) And do not say about those who are slain in the cause of Allah that they are dead. Instead, they are alive but you do not perceive.

This ayah indicates that the persons who are martyred in the way of Allah (SWT) are alive and enjoying an eternal life, in which He (SWT) bestows countless blessings upon them. However, the states and events that take place after the physical death are beyond the reach of ordinary human perception.

وَلَنَبُلُوَنَّكُمْ بِهَىٰء مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقُصِ مِنَ الْأَمُوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالقَّمَرْتِ وَبَقِيرِ الطَّيرِيْنَ ﴿
155) And We will definitely test you with something of fear and famine, and







To emphasize its importance, Allah (SWT) repeats His command to face Al-Masjidul-Haram (the Sacred Mosque) while offering prayers, wherever one is in the world. "And surely that is the very truth from your Lord" i.e. it has always been ordained by Allah (SWT) that the final Qiblah of the believers would be the Ka'bah.

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِ وَجُهَكَ شَطْرَ الْبَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنُهُمْ فَوَلُوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ﴿ لِثَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ فَوَلُوا وَجُهَكُ شَطْرَهُ ﴿ لِثَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ خُجَّةً ﴿ إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَهُوا مِنْهُمُ ۚ فَلَا تَغْفَوْهُمْ وَالْحَشَوْنِ ۚ ۚ وَلِأَتِمُ نِعْمَتِينَ عَلَيْكُمْ وَلَا تَغْفَوْهُمْ وَالْحَشَوْنِ ۚ ۚ وَلِأَتِمُ نِعْمَتِينَ عَلَيْكُمْ وَلَا تَغْفَوْهُمْ وَالْحَشَوْنِ ۚ ۚ وَلِأَتِمُ نِعْمَتِينَ عَلَيْكُمْ وَلَا تَغْفَوْهُمْ وَالْحَشَوْنِ ۚ وَلِأَتِمُ نِعْمَتِينَ عَلَيْكُمْ وَلَا تَعْمَدُونَ اللَّهُ وَلَا اللَّهِ مُنْ عَلَيْكُمْ اللَّهُ وَاللَّهُ وَالْمَالُولُ وَاللَّهُ وَالْمُؤْلِ وَاللَّهُ وَلَا اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ وَلَا اللَّهُ وَلَا اللَّهُ اللَّهُ وَلَا اللَّهُ اللَّهُ وَلَا اللَّهُ وَلَا اللَّهُ وَلَا اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ وَاللَّهُ وَاللَّهُ وَاللَّهُ وَلَا اللَّهُ وَلَا اللَّهُ الْحَلَّمُ وَاللَّهُ اللَّهُ وَاللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ وَاللَّهُ وَاللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ وَلَا اللَّهُ وَاللَّهُ وَلَا اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ وَالْمُعَلَّمُ اللَّهُ الْعَلَالَةُ اللَّهُ الْمُعْلَى اللَّهُ اللّهُ اللَّهُ اللّهُ اللّهُو

(150) And from wheresoever you set out, turn your face towards the Sacred Mosque, and wherever you may be, do turn your faces in its direction so that people may not have against you any argument except those who do injustice among them – so fear them not and fear Me instead – so that I may complete My blessing upon you and so that you may be rightly guided.

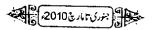
Allah (SWT) repeats His command to all Muslims to turn to the direction of the Ka'bah for the third time, "so that people may not have against you any argument." This refers to the People of the Book, who knew from their scriptures that the last Prophet (SAW) would later on be commanded to face the Qiblah of Ibrahim (AS). Had Allah not commanded the Prophet (SAW) to face the Ka'bah instead of Jerusalem, they would have used this as an argument against the Muslims and for denying the Prophethood of Muhammad (SAW). "So that I may complete My blessing upon you and so that you may be rightly guided." The favors here refer to the leadership and the guidance from which the Children of Israel were deposed and were now being bestowed upon the Ummah of Prophet Muhammad (SAW).

كَمَّا أَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُولًا فِنْكُمْ يَتُلُوا عَلَيْكُمْ الْبِتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتْبَ وَالْمِكُمَّةَ وَيُعَلِّمُكُمُ مَّا لَمْ تَكُوْنُوا تَعْلَمُونَ ۞

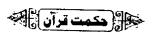
(151) Just as We have sent among you a Messenger out of you, who recites to you Our Ayaat, purifies you, teaches you the Book and wisdom and teaches you that which you did not know.

Here the favor refers to Prophet Muhammad (SAW). This is an answer to the supplication of *Ibrahim* (AS) and *Ismail* (AS) to their Lord to send a Messenger amongst their descendants: "O our Lord! And raise amongst them a Messenger out of them, who shall recite unto them Your Ayaat and teach them the Book and the wisdom, and purify them. Verily You and You alone are the All-Mighty, the All-Wise."

فَاذْكُرُونِيَّ اَذْكُرُ كُمْ وَاشْكُرُوالِي وَلَا تَكُفُرُونِ ۞







after what has come to you of the knowledge, surely you would be among the unjust."

Although this is an address to the Prophet (SAW), it also includes his *Ummah*.

(146) Those to whom We have given the Book, recognize him as they recognize their own sons; but certainly a party of them does conceal the truth knowingly.

The People of the Book know that Prophet Muhammad (SAW) is the final Messenger they were waiting for and that what Allah (SWT) has revealed to him is the truth. They recognize him as they know their own sons, but they deliberately conceal the truth from the people.

(147) The truth is from your Lord; so do not be among those who doubt.

Allah (SWT) strengthens the hearts of the Prophet (SAW) and his Companions (RAA) by affirming that what Allah (SWT) has revealed is the truth and there should be no doubt in their minds about it.

(148) And for everyone there is a direction towards which he turns, so try to surpass one another in good deeds. Wherever you may be, Allah will bring all of you together; verily Allah is Powerful over everything.

This ayah refers to the followers of the various religious traditions. It means that every religious community has a Qiblah to face in their prayers. But Allah's appointed Qiblah i.e. the Ka'bah, is what the believers face. This can also be taken in a general sense i.e. 'to each is a goal to which he turns, so emulate one another in good deeds'. "Wherever you may be, Allah will bring all of you together" i.e. Allah (swn) will gather you on the Day of Resurrection, wherever you are on earth, even if your bodies have turned to dust and disintegrated completely.

(149) And from wheresoever you come forth, turn your face towards the Sacred Mosque. And surely that is the very truth from your Lord. And Allah in not unaware of what you do.







قَلُ نَزَى تَقَلُّبَ وَجُهِكَ فِي الشَّهَآءِ \* فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبُلَةٌ تَرْضُهَا ۚ ۚ ۚ فَوَلِّ وَجُهَكَ شَطْرَ الْهَسْجِيا الْحَرَامِرُوَ عَيْثُ مَا كُنْتُمُ فَوَلُوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَة \* وَإِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتْبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ تَنْجِهُمْ\* وَمَا اللّهُ بِغَافِلٍ عَنَّا يَعْبَلُوْنَ ۞

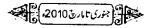
(144) Of course We have been seeing the turning of your face to the sky. So We will definitely turn you to the Qiblah you will get pleased therewith. So turn your face in the direction of the Sacred Mosque. And wherever you may be, do turn your faces in its direction. And in fact those who have been given the Book know very well that it is the truth from their Lord. And Allah is not unaware of what they do.

Allah's Messenger (SAW) used to supplicate to Allah (SWT) for change in the direction of the *Qiblah*; he would look up to the sky awaiting Allah's command. So Allah (SWT) fulfilled his wish. This ayah is the actual commandment of the change in *Qiblah*. The Prophet (SAW) was leading *Dhuhr* [35] prayer in the house of *Bishr bin Bara*[36] when this commandment of change in the direction of the *Qiblah* was revealed[37]. The Prophet at once turned his face towards the *Ka'bah* and so did all those who were following him in the prayer. Further Allah (SWT) commands the Muslims to face the *Ka'bah* from wherever they are, be it the east, west, north or south. The People of the Book knew that He was going to change the *Qiblah* from *Jerusalem* to *Makkah*. They were foretold in the scriptures given to them but they withheld its knowledge as they did in other matters.

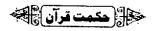
وَلَهِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ أُولُوا الْكِتْبَ بِكُلِّ ايَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا اَنْتَ بِتَابِع قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعِ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَبِنِ اتَّبَعْتَ اَهُوا اَهُمُ مِنْ بَعْنِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ إِذَّا لَيْنَ الظَّلِينُنَ ۞

(145) And even if you bring every sign to those who have been given the Book, they will not follow your Qiblah; neither are you going to follow their Qiblah, nor are they going to face each other's Qiblah. And if you follow their desires, after what has come to you of the knowledge, surely you would be among the unjust.

Allah (SWT) describes the stubbornness of the Jews and the Christians; even when Prophet Muhammad (SAW) gave them every proof, they were not prepared to accept the Ka'bah as their Qiblah. "Neither are you going to follow their Qiblah". This indicates that as much as the People of the Book follow their desires, the Prophet (SAW) adheres to Allah's (SWT) commands. "Nor are they going to face each other's Qiblah. The People of the Book not even followed each other's Qiblah in Jerusalem. The Jews prayed facing towards the western part of the temple built by Suleman (AS) while the Christians considered the eastern part of the temple to be more sacred. "And if you follow their desires,





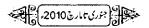


But Allah says, Say: "To Allah belong the East and the West". This subject has already been mentioned in ayah 115 where Allah (SWT) states that whether you face Bayt-ul-Maqdis or the Ka'bah, every location belongs to Allah (SWT).

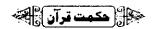
وَ كَذَٰلِكَ جَعَلَنْكُمُ أُمَّةً وَسَطَا لِتَكُونُوا شُهَاكَاءً عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيُدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا ۗ الْهِبْلَةَ الَّيِّيُ كُنْتَ عَلَيْهَا اللَّا لِتَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتُ لَكَبِيْرَةً اللَّهِ عِلَى اللَّهِ عَلَى عَقِبَيْهِ ۚ وَانْ كَانَتُ لَكَبِيْرَةً اللَّهِ عِلَى اللَّهِ عِلْنَاسِ لَرَءُوفُ وَجِيْمٌ ۞

(143) "And in this way We have made you an intermediary (or the balanced) Ummah so that you should become witnesses over the humanity at large and the Messenger may become, over you, a witness. And We did not appoint the Qiblah which you used to observe except that we may distinguish the one who follows the Messenger from the one who turns away on his heels. And it was indeed a hard test except for those whom Allah (SWT) has guided. And never would Allah make your faith of no effect. Verily Allah is very Compassionate and Merciful to mankind".

The substitution of Jerusalem with Ka'bah led to the removal of Children of Israel from their position as a Muslim Ummah and their replacement by the Ummah of Prophet Muhammad (SAW). It was by following the guidance from Allah that this Muslim Ummah achieved the excellences that led to their appointment as the 'Wasat Ummah'. The word Wasat means 'just' or 'the best and the most honored'. Allah (SWT) says that He has made the Muslims the best nation ever. Hence, the Muslim Ummah will be a witness over all other nations on the Day of Judgment and the Messenger will be a witness over them i.e. the Prophet, as Allah's representative, will bear witness to the fact that he conveyed the message to the Muslims which he was sent with and the Muslims will bear witness that they conveyed the message to the rest of Mankind. "And We did not appoint the Qiblah which you used to observe except that we may distinguish the one who follows the Messenger from the one who turns away on his heels." Allah (SWT) commanded the Muslims to face the direction of Jerusalem while praying at first, but then changed the Qiblah to the Ka'bah so as to test who followed and obeyed the Messenger and who reverted from his religion. The change of Qiblah was a very hard test for the Muslims especially those who had converted from Judaism to Islam, but not for those who believed in the truth of the Messenger (SAW) with certainty and sincerity. "And never would Allah make your faith of no effect." The Jews questioned about the status of those who prayed facing Baytul-Maqdis and died before the Qiblah was changed. Allah (SWT) replies them by affirming that they will not be deprived of the reward for their prayers, as "Allah is very Compassionate and Merciful to mankind."







اَمْ تَقُوْلُوْنَ إِنَّ إِبْرُهِمَ وَاِشْمِعِيْلَ وَاِسْحَقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْإَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا آوُ نَصْرَى قُلُ ءَانَّهُمُ اَعْلَمُ اَمِر اللهُ وَمَنْ اَظْلَمُ مِثَنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللهِ وَمَا اللهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۞

(140) Or do you say that actually Ibrahim, Ismail, Ishaq, Ya'qub and (their) descendants were all Jews or Christians? Ask: "Do you know better or does Allah? And who is more unjust than the one who conceals the testimony he has from Allah? And Allah is not unaware of whatever you do.

Allah (SWT) refutes the claims of the Jews and the Christians that Ibrahim (AS) and all the Prophets after him followed Judaism or Christianity, by asserting that He (SWT) has the best knowledge of whether they were Jews or Christians or Muslims. "And who is more unjust than the one who conceals the testimony he has from Allah?" The Books Allah (SWT) revealed to the People of the Book testified that Prophet Ibrahim (AS) and his descendents were neither Jews nor Christians but they hid the truth from the people. Therefore Allah (SWT) says; "Allah is not unaware of whatever you do" i.e. you may be able to hide the truth from others but Allah (SWT) is not unaware of any of your intentions and actions.

تِلْكَ أُمَّةٌ قَلْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْهُمْ وَلا تُسْتُلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ٥

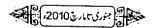
(141) That was a nation which has already passed away. For them is what they have earned and for you what you have earned, and you shall not be questioned about what they have been doing.

This is a replica of ayah 134 where Allah (SWT) refutes the claims of the People of the Book that they will be saved because they are descendents of Prophets and affirms that their relationship will be of no avail unless they emulate them in obeying and submitting themselves to Allah (SWT).

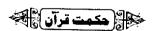
سَيَقُولُ الشَّفَهَا مُنِ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَنْ قِبُلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُواْ عَلَيْهَا وَلُ لِلْوَالْمَشْرِقُ وَالْمَعْرِبُ لِيَهْدِينَ مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۞

(142) The fools among the people will say: "What has turned them from their Qiblah which they used to observe?" Say: "To Allah belong the East and the West; He guides whom He wills to the straight path."

Before the directive of change in *Qiblah*, Prophet Muhammad (SAW) and the Muslims faced *Bayt-ul-Maqdis* (*Jerusalem*) in their prayers for nearly 16 months, but he would supplicate to Allah (SWT) to shift the *Qiblah* from *Jerusalem* to *Makkah*. Allah (SWT) fulfilled his wish and commanded the believers to face the *Ka'bah* instead of *Jerusalem*. This did not go well with the Jews who used to criticize the believers as to what made them change their *Qiblah* from *Bayt-ul-Maqdis* to the Sacred House i.e. the *Ka'bah*.







Refuting the Jews and the Christians, who claim that they follow the true guidance, Allah (SWT) directs the believers to spell out that they believe in what is revealed to Prophet Muhammad (SAW) as well as all the previous Prophets of Allah (SWT), without discriminating any of them by following some and rejecting the others. This is the true guidance from Allah (SWT) and the Muslims submit themselves to Him in totality.

(137) So if they believe in the like of what you have believed therein, then they would be rightly guided. But if they turn back, then they are only in antagonism. So Allah will suffice you against them. And He is the All-Hearer All-Knower.

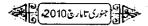
i.e. if the disbelievers also believe in all of Allah's Messengers and His Books, submit themselves to Allah's will and do not associate partners with Him, they will be on the straight path. But if they continue disbelieving after the truth has already been presented to them, they will find themselves divided into different factions. And Allah (SWT) will aid the believers against the idolaters and the disbelieving People of the Book.

(138) (We adopt) Allah's colour. And who is better than Allah at colouring? And we are His worshippers.

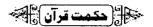
In this ayah dye or color means the 'Deen of Allah (SWT)' [34]. "And we are His worshippers". The main purpose and the message of all the Messengers and their followers has always been to obey Allah (SWT) with all devotion and worship Him alone.

(139) Ask: "Do you argue with us concerning Allah whereas He is our Lord and your Lord, and for us are our deeds and for you are your deeds and to Him we are sincere.

i.e. would you dispute with us in the fact that we obey Allah (SWT) and have submitted ourselves to Him and that we do not associate any partners with Him, even when you know that Allah (SWT) alone is the Lord of the universe and has full control over us and you? We don't believe in what you worship and worship Allah alone, as all Prophets and their followers have been doing. We will only be accountable for our deeds and you will be responsible for your actions.







آمَر كُنْتُمُ شُهَدَآءً إِذْ حَطَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قالُوا نَعْبُدُ الهَكَ وَالْهَ الْإِلِكَ اِبْرُهُمْ وَاسْفِيْلَ وَاسْخَقَ الْهَاوَاجِدًا \* وَنَعْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۞

(133) Or were you present when death approached Jacob? When he asked his sons: "What will you worship after me?" They replied: "We will worship your Ilaah (i.e. Allah) and the Ilaah of your forefathers—Abraham, Ishmael, Isaac – the only Ilaah, and unto Him We are submitters.

This ayah criticizes the Arab idolaters as well as the disbelievers amongst the People of the Book, who thought that they were following the *Deen* of *Ibrahim* (AS) and his progeny. Allah (SWT) says that those whom they professed to follow were true believers in Allah's Divinity and did not associate partners with Him and submitted themselves totally in His obedience.

يلْكَ أُمَّةً قَلْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْعُمْ وْ وَلَا لُسْتَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْتَلُونَ ۞

(134) That was a nation which has already passed away. For them is what they have earned and for you what you have earned, and you shall not be questioned about what they have been doing.

This ayah denies the Jewish belief that they are the chosen ones because of their relationship with the Prophets or the righteous people. On the contrary, Allah (SWI) spells out that no relationship would benefit one in the Hereafter unless one performs good deeds oneself.

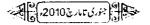
وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَطِرى تَهْتَدُوا \* قُلْ بَلْ مِلَّة إِبْرُهمَ حَنِيْقًا \* وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۞

(135) And they say: "Be you Jews or Christians, then you shall be rightly guided". Say: "Nay, but the faith of Abraham who was ever focused towards Allah, and he was not one of the polytheists".

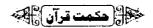
The Jews and the Christians used to come to the Prophet (SAW) and say that the true guidance was only what they followed and asked him to follow them. So Allah (SWI) orders His Prophet (SAW) to make it clear to them that the believers did not need to follow them. The Muslims follow the straight path of their father *Ibrahim* (AS), which was in fact the path that all the Messengers from the beginning of Divine revelation believed in, preached and followed.

قُولُوَّا امَنّا بِاللهِ وَمَا أَنْزِلَ إِلَيْمَا وَمَا أَنْزِلَ إِلَى إِبْرِهِمَ وَإِسْمُعِيْلَ وَاسْمُعَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا أَوْتِي مُوسْي وَعِيْسِي وَمَا أَوْتِيَ النَّيِيُّوْنَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُقَرِقُ بَيْنَ اَحْدِ مِنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ۞

(136) Say: "We believe in Allah and what has been sent down to us, and what has been sent down to Abraham, Ishmael, Isaac, Jacob and the descendants; and what has been given to Moses and Jesus and what has been given to the Prophets from their Lord. We do not differentiate between any of them and unto Him We are subservient.







## MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By Dr. Israr Ahmad

## Al-Bagarah

(Ayaat 130-163)

وَمَنْ يُرْغَبُ عَنْ مِلْكُو إِبْرُهُمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْأَخِرَةِ لَينَ الصَّلِحِيْنَ ۞

(130) And who would turn away from the faith of Ibrahim except one who has befooled himself? And indeed We have chosen him (Abraham) in this world, and in the Hereafter he would be definitely among the righteous.

Ibrahim (AS) worshipped none but Allah (SWT) with sincerity and did not call upon others besides Allah (SWT). This is the faith and practice of Ibrahim (AS) and whoever abandons his path is in fact committing injustice to himself by deviating from the truth. Allah (SWT) chose Ibrahim (AS) as His Messenger and a leader of the upright, and he will surely be amongst the righteous persons in the Hereafter.

إِذْقَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ﴿ قَالَ أَسْلَمُتُ لِرَبِّ الْعَلَيِينَ ۞

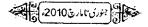
(131) When his Lord said to him: "Submit", he said: "I have submitted to the Lord of the worlds".

Allah (SWT) commanded *Ibrahim* (AS) to submit himself to Him and be obedient to Him and he (AS) perfectly adhered to Allah's commands.

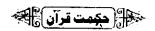
وَوَشِّي بِهَا إِبْرِهِ مُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يْبَنِي إِنَّ اللهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُونُنَّ إِلَّا وَأَنَّمُ مُسْلِمُونَ ۞

(132) And Ibrahim exhorted thereby to his sons and (so did) Ya'qub: "O my sons! Verily Allah has chosen for you the Deen (Islam), so you must not die except that you are Muslims.

Ibrahim (AS) advised his children to follow this Deen i.e. Islam, and so did his grandson Ya'qub (Jacob) (AS). They ordered their children to adhere to righteous deeds and worship none besides Allah (SWT) throughout their lives so that Allah might bless them with the fortune of dying upon the right path as Muslims.







دعوت رجوع إلى القرآن كانقيبً علوم وحِكمِ قرآنی كاپر حپارك

سهابی تحکمت فران لا مور

بيادگار: دُاكْرُمُحُدر فِع الدين مرحوم مرمئول: دُاكِتُو اسوار احمد

سالا نەزىرتغاون(اندرون ملک) 200 روپے

تحريك خلافت ياكستان كانقيب

مفتروزه ندائم خلافت لامور

قیت فی شارہ:50 رویے

حالات حاضرہ سیاسی تجزیئے ملکے بھیکے علمی م معلوماتی ، تحریکی مضامین اور رپورٹیں

مريمنول: حافظ عاكف سعيد

ا قیمت فی شاره: 12روپے سالانہ زرتعاون (اندرون ملک) -/450روپے

مكتبه خدام القرآن 36\_ك، اذل نادن الامد

فن: 042-35869501-3. maktaba@tanzeem.org ، 042-35834000 بنيس: 042-35869501